تفسیر قرطبی مترجم

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن قرآن

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ۔ کراچی ۔ پاکستان

الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۔ پاکستان

الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی

جلد ششم

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

متن قرآن کا ترجمہ: جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

مولانا ملک محمد بوستان — مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی

مولانا محمد انور مگھالوی — مولانا شوکت علی چشتی

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

نام کتاب	تفسیر قرطبی معروف بہ الجامع لاحکام القرآن (جلد ششم)
مفسر	امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ
متن قرآن کا ترجمہ	حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی
	مولانا محمد انور مگھالوی، مولانا شوکت علی چشتی
	من علماء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر اہتمام	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	اکتوبر 2012ء، باراول
کمپیوٹر کوڈ	QT54

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔37221953 فیکس:۔042-37238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔37247350-فیکس042-37225085

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-32212011-32630411۔فیکس:۔021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

ڈھیل دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ (انعام: 67) لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ الخ (الرعد) جب وہ وقت آ جائے گا تو عذاب ان سے موخر نہ ہوگا خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا۔ مَوْىِٕلًا سے مراد پناہ گاہ ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زید کا قول ہے، یہ جوہری نے ''الصحاح'' میں حکایت کیا ہے (1)۔ وال یئل والا وؤ ولا بروزن فعول، اس کا معنی ہے پناہ لینا۔ واءل بروزن فَاعَل، اس کا معنی ہے نجات طلب کرنا۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے محرزاً۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے ولیا (دوست)، ابوعبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے نجات کی جگہ۔ بعض نے فرمایا: محیصا (پناہ گاہ)، سب کا معنی ایک ہے۔ عرب کہتے ہیں: لا وألت نفسه۔ یعنی اس کا نفس نجات نہ پائے۔ اسی سے شاعر کا قول ہے:

لا وَأَلَتْ نفسُك خَلَّيْتَها لعامِرِيَّيْنِ ولم تُكْلَمِ

اور الاعشیٰ نے کہا:

وقد أخالِسُ ربَّ البيتِ غَفْلَتَهُ وقد يُحَاذِرُ مِنِّي ثم مايَئِلُ (2)

یعنی نجات نہیں پاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ۔ تِلْكَ محل رفع میں مبتدا ہے۔ الْقُرٰۤى نعت یا بدل ہے۔ اَهْلَكْنٰهُمْ خبر کے مقام پر ہے، معنی پر محمول ہے کیونکہ الْقُرٰۤى سے مراد اهل القرىٰ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ تِلْكَ محل نصب میں ہو، ان علماء کے قول پر جو کہتے ہیں: زیداً ضربتهٗ یعنی وہ بستیاں جن کی خبریں ہم نے آپ پر بیان کی ہیں جیسے قوم عاد، ثمود، مدین، لوط کی بستیاں ہم نے انہیں ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کیا اور کفر کیا۔ وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا یعنی ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے اس سے تجاوز نہیں ہوگا۔ مهلك، یہ أهلكوا سے مشتق ہے۔ عاصم نے مهلكهم میم اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، یہ اس صورت میں هلك کا مصدر ہوگا۔ کسائی اور فراء نے مهلكهم لام کے کسرہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: کسائی نے کہا یہ میرے نزدیک بہتر ہے کیونکہ یہ هلك سے ہے۔ زجاج نے کہا: مهلك اسم ظرف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے لوقت مهلكهم جیسے کہا جاتا ہے: اتت الناقة على مضربها یعنی اونٹنی حاملہ ہونے کے وقت پر آئی۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝۶۰

''اور یاد کرو جب کہا موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی) کو کہ میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ پہنچوں جہاں دو دریا ملتے ہیں (چلتے چلتے) گزار دوں گا مدت دراز''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ۔ جمہور علماء اور اہل تاریخ کا قول یہ ہے کہ

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 311 2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 526

اس موسیٰ سے حضرت موسیٰ بن عمران مراد ہیں۔ جس کا قرآن میں ذکر ہے۔ قرآن میں ان کے علاوہ کسی موسیٰ کا ذکر نہیں ہے۔ ایک فرقہ نے کہا جن میں نوف بکالی بھی ہے کہ موسیٰ بن عمران نہیں ہے۔ یہ موسیٰ بن منشا بن یوسف بن یعقوب ہے۔ یہ موسیٰ بن عمران سے پہلے نبی تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صحیح بخاری میں اس قول کا رد کیا ہے(1)۔ فتادہ سے مراد حضرت یوشع بن نون ہے۔ اس کا ذکر سورۃ المائدہ میں اور سورۂ یوسف کے آخر میں گزر چکا ہے۔ اور جن علماء نے کہا یہ موسیٰ بن منشا ہے ان کے نزدیک فتادہ سے مراد یوشع بن نون نہیں ہے۔ لَآ اَبْرَحُ ''میں ہمیشہ چلتا رہوں گا''، شاعر نے کہا:

وأبرحُ ما أدام الله قومي بحمد الله مُنتَطِقًا مُجِيدًا

بعض علماء نے فرمایا: لَآ اَبْرَحُ کا معنی ہے میں تجھ سے جدا نہ ہوں گا حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ، قتادہ نے کہا: یہ فارس اور روم کے دریا ہیں(2)، یہ مجاہد کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس سے مراد پانی کا وہ بازو ہے جو بحر محیط سے شمالی طرف سے جنوب کی طرف فارس کی زمین میں اذربائیجان کے پیچھے سے نکلتا ہے(3)۔ اس قول کی بناء پر وہ جگہ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ ہوگی جہاں دو دریا ملتے ہیں جو شام کی خشکی سے ملتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ قلزم اور اردن کے دریا ہیں۔ بعض نے فرمایا: یہ طنجہ کے قریب مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ ہے، یہ محمد بن کعب نے کہا ہے۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے: یہ افریقہ میں ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد ارمینیہ میں الکر اور الرس دو نہریں ہیں۔ بعض اہل علم نے کہا: یہ بحر اندلس اور بحر محیط سے ہے، یہ نقاش نے حکایت کیا ہے۔ یہ زیادہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: دریاؤں سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام ہیں۔ یہ ضعیف قول ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا گیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ احادیث سے بالکل واضح ثابت ہوتا ہے کہ وہ پانی کے دریا تھے۔ اس قصہ کا سبب وہ ہے جو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں خطبہ دیا، تو ان سے پوچھا گیا: لوگوں میں سے کون بڑا عالم ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میرا ایک بندہ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ میں ہے جو تجھ سے زیادہ عالم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: یارب! میں اس تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ایک مچھلی لے لو اور اسے ایک ٹوکرے میں رکھ لو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ وہاں ہوگا(4)۔ یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم مصر کی زمین پر غالب آئی تو آپ نے اپنی قوم کو مصر میں اتارا جب وہ پوری طرح وہاں گھروں میں آباد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایام اللہ یاد کرنے کا حکم دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ نے جو ان پر نعمت و خیر فرمائی تھی وہ انہیں یاد دلائی کہ اس نے فرعونیوں سے انہیں نجات دلائی اور ان کے دشمن کو ہلاک کیا اور انہیں مصر کی زمین میں خلیفہ بنایا پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے

1۔ صحیح بخاری، سورۃ براءۃ، باب واذ قال موسیٰ لفتٰه، جلد 2، صفحہ 687
2۔ تفسیر طبری، جز 15-16، صفحہ 313
3۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 527
4۔ معالم التنزیل، جلد 3، صفحہ 580

نبی سے کلام فرمائی اور اسے اپنی ذات کے لیے منتخب فرمایا اور اس نے مجھ پر محبت ڈالی اور تمہیں وہ سب کچھ عطا فرمایا جو تم نے اللہ تعالیٰ سے مانگا تھا، اور تمہیں اپنے زمانہ کی افضل قوم بنایا، اس نے تمہیں ذلت کے بعد عزت بخشی، فقر کے بعد غنا عطا فرمائی، تم جاہل تھے اس کے بعد تمہیں تورات بخشی، بنی اسرائیل کے ایک شخص نے کہا: ہم جان چکے ہیں جو آپ کہہ رہے ہیں کیا سطح زمین پر تم سے زیادہ کوئی عالم ہے؟ اے اللہ کے نبی! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: نہیں! اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عتاب فرمایا جب انہوں نے علم کی نسبت اللہ کی طرف نہ کی پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف جبرئیل امین کو بھیجا (اور یہ پیغام دیا) کہ اے موسیٰ! تجھے کیا معلوم کہ میں کہاں علم رکھتا ہوں؟ ہاں میرا ایک بندہ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ میں تجھ سے زیادہ عالم ہے۔ آگے مکمل حدیث ذکر کی۔ ہمارے علماء نے فرمایا: حدیث میں ہے هو أعلم منك وہ تم سے زیادہ علم والا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ مفصل واقعات کے احکام اور معین حادثات کے حکم کے جاننے کے اعتبار سے تم سے زیادہ علم والا ہے نہ کہ مطلقاً۔ اس کی دلیل حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہنا ہے کہ تو ایسے علم پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجھے سکھایا ہے جسے میں نہیں جانتا اور میں ایسے علم پر ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا۔ اس بنا پر ہر ایک پر یہ صادق آتا ہے کہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے دوسرے سے زیادہ علم والا تھا جو دوسرا نہیں جانتا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ارشاد سنا تو ان کے فاضل نفس میں شوق پیدا ہوا اور ان کی بلند ہمت میں جذبہ ابھرا تاکہ وہ علم حاصل کریں جو وہ نہیں جانتے اور ان کی ملاقات کا شوق ہوا جس کے متعلق کہا گیا کہ وہ تجھ سے زیادہ علم والا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عزم کیا اور پوچھا کہ اس تک کیسے پہنچا جائے تو انہیں ہر حال پر چلنے کا حکم ملا، انہیں کہا گیا کہ تم اپنے ساتھ ایک نمکین مچھلی ایک زنبیل میں اٹھالو جہاں وہ زندہ ہوجائے اور تم سے گم ہوجائے وہاں اس کا راستہ ہے۔ آپ اپنے نوجوان کو ساتھ لے کر پوری کوشش سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ میں چلتا رہوں گا حتی کہ میں مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ تک پہنچ جاؤں گا۔ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا۔ حاء اور قاف کے ضمہ کے ساتھ۔ اس سے مراد زمانہ ہے اس کی جمع احقاب ہے۔ اور یہ اسی سال کا زمانہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ زمانہ ہے اور جمع أحقاب ہے، اور الحقبة حاء کے کسرہ کے ساتھ الحِقَب کا واحد ہے، اس سے مراد سال ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ عالم کو علم کی زیادتی کی خاطر سفر کرنا چاہیے اور اس پر خادم اور ساتھی سے مدد لینی چاہیے فضلاء اور علماء کی ملاقات حاصل کرنی چاہیے اگرچہ اس کا سفر بہت دور بھی ہو، یہ سلف صالحین کی عادت تھی۔ اسی وجہ سے سفر کرنے والوں نے علم کا وافر حصہ پایا اور اس کوشش پر کامیابی حاصل کی ان کے قدم علوم میں راسخ ہوگئے، اور ان کے لیے اجر، فضل کی ساری اقسام صحیح ہیں۔ امام بخاری نے فرمایا: حضرت جابر بن عبداللہ نے عبداللہ بن انیس کی طرف ایک حدیث کی خاطر ایک مہینہ کا سفر کیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ۔ اس کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں: 1۔ وہ نوجوان آپ کی خدمت کرتا تھا، عرب کلام میں الفتٰی نوجوان کو کہتے ہیں، اکثر خدمت کرنے والے نوجوان ہوتے ہیں، اس لیے خادم کو حسن ادب کی جہت سے فتی کہا جاتا ہے۔ شریعت نے ایسے لفظ کو پسند فرمایا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا

يقل أحد كم عبدی ولا أمتی وليقل فتای وفتاتی (1) ''تم میں سے کوئی عبدی اور امتی نہ کہے بلکہ فتای اور فتاتی کہے''۔ یہ تواضع کے اعتبار سے بہتر ہے۔ اس بحث کا ذکر سورۂ یوسف میں گزر چکا ہے۔ آیت میں الفتی سے مراد خادم ہے اور وہ یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہ السلام تھے۔ کہا جاتا ہے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھانجے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: ان کو فتی موسیٰ اس لیے کہا گیا کیونکہ وہ آپ سے چمٹے رہتے تھے تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے علم حاصل کریں، اگرچہ وہ آزاد تھے، یہ پہلا معنی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: کیونکہ وہ فتی (غلام) کے قائم مقام تھے اس لیے انہیں فتی موسیٰ کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ (یوسف: 62) اور فرمایا: تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ (یوسف: 30) ابن عربی نے کہا: قرآن کا ظاہر اس بات کا مقتضی ہے کہ وہ غلام تھے۔ اور حدیث میں ہے وہ یوشع بن نون تھا اور تفسیر میں ہے وہ آپ کا بھانجا تھا۔ ان اقوال میں کوئی بات قطعی نہیں اس لیے توقف میں سلامتی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا حضرت عبداللہ بن عمرو نے فرمایا: الحقب اسی سال ہیں۔ مجاہد نے کہا: ستر سال ہیں (2)۔ قتادہ نے کہا: ایک زمانہ ہے۔ نحاس نے کہا: اہل لغت جس کو جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ الحقب اور الحقبة غیر محدود مبہم زمانہ ہے، جیسا کہ رهطا اور قوما مبہم غیر محدود ہیں۔ اور اس کی جمع أحقاب ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝

''پھر جب وہ دونوں پہنچے جہاں آپس میں دو دریا ملتے ہیں دونوں بھول گئے اپنی مچھلی کو تو بنا لیا اس نے اپنا راستہ دریا میں سرنگ کی طرح۔ پس جب وہاں سے آگے بڑھ گئے آپ نے اپنے نوجوان ساتھی سے کہا: لے آؤ ہمارا صبح کا کھانا بیشک ہمیں برداشت کرنا پڑی ہے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت۔ اس کے ساتھی نے کہا: اے کلیم! آپ نے ملاحظہ فرمایا جب ہم (ستانے کے لیے) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ اس کا ذکر کروں اور اس نے بنا لیا تھا اپنا راستہ دریا میں، بڑے تعجب کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا: یہی تو وہ ہے جس کی جستجو کر رہے تھے، پس وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے، تو پایا انہوں نے ایک بندے کو ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی

1۔ صحیح مسلم، حنہ الطلاق، جلد 2، صفحہ 238　2۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 314

تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے (خاص) علم"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا۔ بَيْنِهِمَا کی ضمیر بحرین کے لیے ہے، یہ مجاہد نے کہا ہے۔ السراب کا معنی ہے گزرگاہ، سرنگ، یہ بھی مجاہد کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: پانی تھم گیا اور وہ سرنگ کی طرح ہو گیا۔ جمہور مفسرین نے کہا: مچھلی اپنے چلنے کی جگہ میں پانی میں موجود تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مچھلی کے پیچھے پیچھے چلے حتیٰ کہ اس کے ذریعے دریا میں ایک جزیرہ کے راستہ پر پہنچے۔ اس میں حضرت خضر علیہ السلام کو پایا۔ ظاہر روایات اور کتاب کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی ملاقات دریا کے ساحل پر ہوئی تھی۔ نَسِيَا حُوتَهُمَا نسیان تو صرف نوجوان کو ہوا تھا لیکن یہاں دونوں کی طرف نسیان کی نسبت کی گئی ہے۔ تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ نوجوان حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ منظر بتانا بھول گیا تھا جو اس نے مچھلی کی حالت سے دیکھا تھا تو صحبت کی وجہ سے ان دونوں کی طرف نسیان کو منسوب کیا گیا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (الرحمٰن: 22) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ (انعام: 130)۔ حالانکہ رسل صرف انسانوں سے تھے جنوں سے نہیں تھے مگر مصاحبت کی وجہ سے ان کو بھی خطاب میں جمع کیا گیا۔ بخاری میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نوجوان سے کہا: میں تجھ سے کلام نہیں کروں گا مگر یہ کہ تو مجھے بتا جہاں تجھ سے مچھلی جدا ہوئی تھی، فرمایا: میں نے تجھے کوئی بڑی تکلیف نہیں دی (1)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ فتا سے مراد یوشع بن نون ہے یہ سعید بن مسیب سے نام مروی نہیں ہے۔ فرمایا: جب وہ تر مٹی پر چٹان کے سایہ میں تھا تو مچھلی تڑپی حضرت موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، نوجوان نے کہا: میں آپ کو جگاتا نہیں ہوں حتیٰ کہ جب آپ بیدار ہوں گے تو بتا دوں گا، تو وہ جب بیدار ہوئے تو وہ بتانا بھول گیا مچھلی تڑپی اور دریا میں داخل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پانی کا بہاؤ روک لیا حتیٰ کہ گویا اس کا نشان (سوراخ) پتھر میں ہے، مجھے عمرو نے کہا: اس طرح گویا اس کا اثر (سوراخ) پتھر میں ہے۔ انہوں نے اپنے انگوٹھے اور ساتھ والی دو انگلیوں سے حلقہ بنایا۔ ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے پانی کا بہاؤ روک لیا اور وہ اس پر طاق کی طرح ہو گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو ان کا ساتھی انہیں مچھلی کے متعلق بتانے کے بارے میں بھول گیا۔ وہ بقیہ دن اور رات چلتے رہے حتیٰ کہ جب دوسرا دن تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان سے کہا: ہمارا صبح کا کھانا لے آ ہمیں اس سفر میں مشقت برداشت کرنی پڑی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکن نہ ہوئی حتیٰ کہ اس مکان سے تجاوز کر گئے جس کا اللہ نے انہیں حکم دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے نوجوان نے کہا: کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا جب ہم ستانے کے لیے چٹان کے پاس گئے تو میں مچھلی بھول گیا اور مجھے وہ فراموش نہیں کرائی مگر شیطان نے کہ اس کا ذکر کروں۔ بعض علماء نے فرمایا: بھولنا دونوں کی طرف سے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نَسِيَا۔ نسیان کی دونوں کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ ابتدا میں مچھلی کا اٹھانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تھا کیونکہ انہیں مچھلی اٹھانے کا حکم دیا گیا تھا جب وہ دونوں چلے تو پھر مچھلی اٹھانے والا نوجوان تھا حتیٰ کہ چٹان کے پاس اُترے۔

1۔ صحیح بخاری، خضر مع موسیٰ، جلد 2، صفحہ 688

فَلَمَّا جَاوَزَا یعنی جب مچھلی چھوڑ کر آگے گزر گئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبح کے کھانے کا سوال کیا تو نوجوان نے نسیان کی نسبت اپنی طرف کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ کے پاس ان کے بھولنے کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد چٹان ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نسیان میں شریک تھے کیونکہ نسیان کا مطلب تاخیر ہے اسی وجہ سے عرب کسی دعا میں کہتے ہیں: انساء اللہ فی أجلك۔ اللہ تعالیٰ تیری عمر لمبی کرے۔ جب وہ چٹان سے گزر گئے تو مچھلی اٹھانے میں تاخیر ہوگئی ان میں سے کسی نے وہ نہ اٹھائی، پس ان دونوں کی طرف نسبت جائز ہے کیونکہ وہ دونوں گزر گئے اور مچھلی چھوڑ گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اٰتِنَا غَدَآءَنَا۔ اس میں ایک مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ سفر میں زادِ راہ ساتھ لینا، یہ جاہل صوفیاء پر رد ہے جو بیابانوں اور میدان میں بغیر زادِ راہ کے جاتے ہیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور اہل زمین میں سے اس کے کلیم تھے۔ انہوں نے اپنے رب کی معرفت اور اللہ تعالیٰ پر توکل کے باوجود زادِ راہ ساتھ لیا۔ صحیح بخاری میں ہے (1)۔ یمن کے کچھ لوگ حج کرتے تھے اور زادِ راہ ساتھ نہیں لے جاتے تھے، اور کہتے تھے: ہم توکل کرنے والے ہیں۔ پھر جب حرم میں پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرتے تو اللہ تعالیٰ نے وَتَزَوَّدُوْا کا ارشاد نازل فرمایا، یہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زادِ راہ میں اختلاف ہے کہ وہ کیا تھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ زنبیل میں نمکین مچھلی تھی، صبح و شام وہ اس سے کھاتے تھے جب وہ دریا کے ساحل پر چٹان تک پہنچ گئے تو نوجوان نے ٹوکری کو رکھ دیا، مچھلی پر دریا کے چھینٹے پڑے تو اس نے ٹوکری میں حرکت کی، ٹوکری الٹی ہوگئی اور مچھلی سرنگ بنا کر چلی گئی۔ نوجوان حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ مچھلی حضرت خضر علیہ السلام کی جگہ کی دلیل تھی کیونکہ حدیث میں ارشاد ہوا تھا: اپنے ساتھ ایک ٹوکری میں مچھلی اٹھاؤ جہاں وہ تم سے گم ہو جائے وہ وہاں ہوگا۔ اس بنا پر مچھلی کے علاوہ کوئی زادِ راہ ہوگا۔ یہ ہمارے شیخ ابو العباس نے ذکر کیا ہے اور اس کو اختیار کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا (2): میرے باپ نے کہا میں نے ابو الفضل جوہری کو اپنے وعظ میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مناجات کے لیے گئے تو وہ چالیس دن رہے اور انہیں کھانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی جب وہ انسانوں کی طرف چلے تو انہیں دن کے وقت بھوک محسوس ہوئی۔ نَصَبًا کا معنی تھکن ہے۔ النصب کا معنی تھکن اور مشقت ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے یہاں مراد بھوک ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ جو انسان کو تکلیف اور مرض ہو تو اس کا بتانا جائز ہے، یہ مقام رضا کے منافی نہیں ہے اور نہ قضا کو تسلیم کرنے کے منافی ہے، لیکن یہ اس صورت میں جائز ہے جب اکتاہٹ اور ناراضگی کی بناء پر نہ ہو۔ وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ان اور فعل مصدر کی تاویل میں ہیں۔ یہ اَنْسٰنِیْهُ کی ضمیر سے بدل اشتمال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یہ اسم ضمیر سے ظاہر بدل ہے، یعنی ما أنسانی ذکرہ إلا الشیطان۔ اور حضرت عبد اللہ کے مصحف میں وما أنسانیه أن أذکرہ إلا الشیطان ہے۔ یہ یوشع نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول پر عذر پیش کرنے کے لیے کہا جو انہوں نے کہا تھا کہ میں تجھ سے بات نہیں کروں گا مگر یہ کہ تم مجھے بتاؤ جہاں تجھ سے مچھلی جدا ہوگئی تھی، میں نے تجھے کوئی بڑی تکلیف نہیں دی۔ اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، تزودوا فإن خیر الزاد التقوی، جلد 1، صفحہ 206
2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 529

قول کی وجہ سے یوشع نے معذرت خواہانہ کلام کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوشع نے کہا ہو یعنی مچھلی نے اپنا راستہ بنا لیا لوگوں کے لیے تعجب والی بات ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خبر کی تکمیل سے ہے، پھر تعجب کو علیحدہ اپنی طرف سے بیان کیا ہو کہ اس امر پر تعجب ہے۔ تعجب اس لیے ہے کہ مچھلی مر چکی تھی اور اس کی بائیں جانب کھائی گئی تھی پھر اس کے بعد زندہ ہو گئی تھی۔ ابوالشجاع نے کہا: طبری کی کتاب میں، میں نے اس کو دیکھا، اُتِيتُ بِه (اسے لایا گیا)۔ وہ مچھلی کی ایک طرف تھی اور ایک آنکھ تھی اور دوسری طرف میں کچھ بھی نہیں تھا۔ ابن عطیہ نے کہا: میں نے اس کو دیکھا جس جانب کچھ نہیں تھا۔ اس پر باریک پردہ تھا جس کے نیچے کوئی کانٹا نہیں تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق خبر دی کہ اس نے مچھلی کے دریا میں راستہ بنانے پر تعجب کیا یا مچھلی کے متعلق خبر دی کہ اس نے لوگوں کے تعجب کے لیے راستہ بنایا۔ بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے قصص میں مروی ہے کہ وہ مچھلی زندہ ہو گئی تھی کیونکہ اسے اس چشمہ کا پانی لگا تھا جسے عین الحیاۃ کہا جاتا ہے، وہ پانی جس چیز کو لگتا ہے وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ ''التفسیر'' میں ہے کہ علامت یہ تھی کہ مچھلی زندہ ہو گئی تھی۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام سفر سے تھک کر چٹان کے پاس ستانے کے لیے گئے تو اس کے قریب آب حیات تھا وہ پانی مچھلی کو لگا تو وہ زندہ ہو گئی (1)۔ ترمذی نے اپنی حدیث میں کہا سفیان نے کہا لوگوں کا خیال ہے کہ اس چٹان کے پاس آب حیات کا چشمہ تھا وہ کسی چیز کو نہیں لگتا مگر وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ فرمایا: اس مچھلی سے کھایا گیا تھا، جب اس پر پانی کے قطرے پڑے تو وہ زندہ ہو گئی۔ صاحب کتاب العروس نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آب حیات سے وضو کیا تو آپ کی داڑھی سے ایک قطرہ مچھلی پر گرا تو وہ زندہ ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نوجوان کو مچھلی اور اس کے گم ہونے کے متعلق بتایا کہ وہ جگہ تو تھی جس کو طلب کر رہے تھے وہ شخص جس کے لیے ہم آئے ہیں وہ وہاں ہے۔ پھر وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے آئے تاکہ راستہ بھول نہ جائیں۔ بخاری میں ہے (2): ان دونوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دریا کے درمیان سبز جائے نماز پر کپڑا لپیٹ کر سویا ہوا پایا انہوں نے چادر کی ایک طرف قدموں کے نیچے اور ایک طرف سر کے نیچے کی ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر سلام کیا تو انہوں نے اپنے چہرہ سے کپڑا اٹھایا اور کہا: یہ تمہاری زمین کا سلام ہے؟ تو کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں موسیٰ ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: حضرت موسیٰ بنی اسرائیل؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا: کیا کام ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں اس لیے آیا ہوں تاکہ آپ مجھے وہ علم سکھائیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ ثعلبی نے کتاب (العرائس) میں کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع نے حضرت خضر علیہ السلام کو پانی کی سطح پر سبز جائے نماز پر سویا ہوا پایا وہ سبز کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ الکھف، حدیث نمبر 3074، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، حدیث خضر مع موسیٰ، جلد 2، صفحہ 689

السلام نے ان پر سلام کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور کہا: یہ ہماری زمین کا سلام کہاں ہے؟ پھر اپنا سر اٹھایا اور سیدھے بیٹھ گئے اور کہا: اے بنی اسرائیل کے نبی! وعلیک السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: تجھے میرے متعلق کیسے خبر ہوئی ہے؟ اور تجھے کس نے بتایا ہے کہ میں بنی اسرائیل کا نبی ہوں؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: جس نے آپ کو میرے متعلق بتایا ہے اور میری طرف جس نے تمہاری راہنمائی کی ہے۔ پھر کہا: اے موسیٰ! تجھے تو بنی اسرائیل میں مشغولیت تھی۔ حضرت موسیٰ نے کہا: میرے رب نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ میں آپ کی پیروی کروں اور آپ سے وہ علم سیکھوں جو آپ کو اس نے سکھایا ہے۔ پھر دونوں باتیں کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔ ایک پرندہ آیا اور اس نے اپنی چونچ میں پانی اٹھایا۔ آگے حدیث ذکر کی جیسا کہ آگے آ رہی ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ۔ العبد سے مراد جمہور کے قول پر حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ اور احادیث کا مقتضا بھی یہی ہے۔ انہوں نے اس کی مخالفت کی ہے جن کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھی حضرت خضر نہیں تھے بلکہ کوئی دوسرا عالم تھا، یہ قول قشیری نے حکایت کیا ہے۔ فرمایا: ایک قوم نے کہا: وہ عبد صالح تھا۔ صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے، اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر مروی ہے۔ مجاہد نے کہا: حضرت خضر علیہ السلام کو خضر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو ان کے اردگرد کا علاقہ سرسبز ہو جاتا تھا۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے (2) فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خضر علیہ السلام کو خضر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ سفید زمین پر بیٹھتے تھے تو وہ اس کے نیچے سبز ہو کر لہلہانے لگتی تھی"۔ یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ حدیث میں الفروۃ کا لفظ آیا ہے جس کا معنی سطح زمین ہے، یہ خطابی وغیرہ کا قول ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ عبد صالح تھے نبی نہیں تھے۔ آیت ان کی نبوت کی گواہی دیتی ہے کیونکہ ان کے افعال کے راز وحی سے معلوم ہو سکتے ہیں، کیونکہ انسان نہ سیکھتا ہے اور نہ ہی اتباع کرتا ہے مگر اس کی جو اس سے بلند مرتبہ ہوتا ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ نبی سے بلند مرتبہ وہ جو نبی نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ فرشتہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ان سے علم باطن حاصل کریں جو اسے حاصل ہے۔ پہلا قول صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا اس آیت میں رحمت سے مراد نبوت ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد نعمت ہے۔ وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۝ یعنی ہم نے اسے اپنی جناب سے علم غیب سکھایا۔ ابن عطیہ نے کہا: حضرت خضر علیہ السلام کا علم، علم معرفت تھا جو ان کی طرف وحی کیا گیا تھا، ان کے افعال کو احکام کے ظواہر کا رنگ نہیں دیا جاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم، علم احکام اور علم فتویٰ لوگوں کے ظاہر اقوال اور افعال سے متعلق تھا (3)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، حدیث خضر مع موسیٰ، جلد 2، صفحہ 689

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ کہف، جلد 2، صفحہ 144۔ ایضاً، حدیث نمبر 3076، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 529

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾

''کہا اس بندے کو موسیٰ نے کیا: میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس بندے نے کہا: (اے موسیٰ) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر جن کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں۔ آپ نے کہا: آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی۔ اس بندے نے کہا: اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھئے نہیں یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ یہ سوال ایک ملاطف کا سوال ہے اور مخاطب حسن ادب میں مبالغہ کرتے ہوئے اپنے مقام سے اتر کر سوال کر رہا ہے، مطلب یہ ہے کیا تمہارے لیے ایسا اتفاق ہوگا اور آپ پر آسانی ہوگی؟ یہ اس طرح ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ''کیا تو مجھے دکھا سکتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کیسے وضو کرتے تھے''(1)۔ بعض تاویلات پر یہ آئے گا اسی طرح یہ ارشاد ہے: هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (المائدہ:112) اس کا بیان سورہ مائدہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ شاگرد، اُستاد کے تابع ہوتا ہے اگرچہ مراتب مختلف ہوں، اس سے یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام سے سیکھنے میں دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تھے، کبھی فاضل کو اس بات کا علم نہیں ہوتا جس کا مفضول کو علم ہوتا ہے، فضیلت اسے حاصل ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ فضیلت دیتا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اگر ولی تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے افضل ہوں گے، کیونکہ وہ نبی تھے اور نبی، ولی سے افضل ہوتا ہے۔ اور اگر وہ نبی تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کے ساتھ فضیلت دی گئی تھی۔ واللہ اعلم۔ رُشْدًا یہ تُعَلِّمَنِ کا دوسرا مفعول ہے۔ قَالَ، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا یعنی اے موسیٰ! آپ میرے علم کو دیکھ کر صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے کیونکہ ظواہر جو آپ کا علم ہے وہ اس علم کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا(2)۔ آپ جس کو خطا دیکھیں گے اس پر کیسے صبر کریں گے؟ اور اس میں حکمت کی وجہ تم پر منکشف نہ

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 16431

2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 350

ہوگی تو آپ کیسے ضبط کر سکیں گے؟ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا کا یہی معنی ہے۔ انبیاء کرام کسی منکر پر خاموش نہیں رہتے اور نہ ان کے لیے خاموش ہونا جائز ہوتا ہے، تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: آپ اپنی عادت اور حکم کی بنا پر خاموش نہیں رہ سکیں گے۔ خُبْرًا کی نصب تمیز کی بنا پر ہے جو فاعل سے منقول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: مصدر کی بنا پر ہے جو معنی میں متصل ہے۔ کیونکہ لَمْ تُحِطْ کا معنی ہے لم تخبرہ گویا فرمایا: لم تخبرہ خبرًا، اسی کی طرف مجاہد نے اشارہ کیا ہے۔ خبیر بالأمور وہ ہوتا ہے جو امور کے بواطن کو جانتا ہو اور امور میں سے جن سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا یعنی میں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو صبر کروں گا۔ وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا میں آپ کی اطاعت کروں گا۔ استثنا میں اختلاف ہے کیا یہ وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا کے قول کو شامل ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے فرمایا: اس کو شامل ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ (احزاب: 35) بعض علماء نے فرمایا: صبر میں استثنا کی تو صبر کیا اور وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا میں استثنا نہیں کی، اس لیے اعتراض کیا اور سوال کیا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس میں استثناء نہیں تھی کیونکہ صبر مستقبل کا امر ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں کیا حالت ہوگی اور معصیت کی نفی کا عزم کیا گیا تھا وہ فی الحال حاصل تھی، پس اس میں استثنا عزم کے منافی ہے۔ ان کے درمیان اس طرح فرق کرنا ممکن ہے کہ صبر ہمارے لیے مکتسب نہیں ہے بخلاف معصیت کے کرنے اور اس کے ترک کرنے کے، کیونکہ یہ تمام ہمارے لیے مکتسب ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا یعنی حتیٰ کہ میں خود تمہارے لیے اس کی تفسیر بیان کروں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے سنگت کے آداب سکھائے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تو عجیب چیزوں کو دیکھ لیتے، لیکن انہوں نے اعتراض کیا پس فراق اور اعراض متعین ہوگیا۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝

''پس وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے کشتی میں تو اس بندے نے اس میں شگاف کر دیا، موسیٰ بول اٹھے: کیا تم نے اس لیے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبو دو یقیناً تم نے بہت عجیب کام کیا ہے۔ اس بندے نے کہا کیا: میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کر سکیں۔ آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری بھول کی وجہ سے اور نہ سختی کرو مجھ پر میرے اس معاملہ میں''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر1۔صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں ہے(1): وہ دونوں دریا کے ساحل پر چلے ایک کشتی گزری تو انہوں نے سوار کرنے کے لیے ان سے بات کی کشتی والے حضرت خضر کو جان گئے تو انہوں نے بغیر کرائے کے سوار کر لیا جب کشتی میں دونوں سوار ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اچانک دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ہتھوڑے کے ساتھ کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ نکالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان لوگوں نے ہمیں بغیر کرائے کے سوار کیا اور آپ نے ان کی کشتی کو شگاف کر دیا تا کہ اس کے سواروں کو ہلاک کر دیں، آپ نے برا کام کیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ مجھ پر گرفت نہ فرمائیں میری بھول کی وجہ سے اور نہ مجھ پر میرے اس معاملہ میں سختی کریں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا سوال بھولنے کی وجہ سے تھا'' فرمایا: ایک چڑیا آئی وہ کشتی کے کنارے پر بیٹھی اور دریا سے ایک چونچ بھری، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: میرا علم اور تیرا علم، علم الٰہی سے کمی نہیں کرتا مگر جتنا کہ اس دریا سے اس چڑیا نے کمی کی ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: حرف السفینۃ سے مراد اس کی طرف ہے ہر چیز کا حرف اس کا طرف ہوتا ہے(2)، اسی سے حرف الجبل ہے پہاڑ کی چوٹی۔ اور یہاں علم بمعنی معلوم ہے جیسے فرمایا: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ (بقرہ: 255) یعنی معلوماتہ۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام نے تمثیل بیان کی کہ میری معلومات اور تمہاری معلومات کا اللہ تعالیٰ کے علم پر کوئی اثر نہیں جیسا کہ چڑیا نے اس دریا سے جو پانی لیا اس کی اس دریا کے پانی سے کوئی نسبت نہیں۔ دریا سے مثال بیان فرمائی، کیونکہ یہ اکثر ہمارے مشاہدہ میں ہوتا ہے اور یہاں نقص (کمی) کے لفظ کا اطلاق مجازاً ہے اس سے تمثیل اور سمجھانا مقصود ہے کیونکہ اللہ کے علم میں کوئی نقص نہیں ہے اور اس کی معلومات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس کا معنی امام بخاری نے واضح کیا ہے فرمایا: اللہ کی قسم! میرا علم اور تیرا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے نہیں ہے مگر جس طرح اس پرندے نے اپنی چونچ میں اس دریا سے پانی لیا ہے۔ تفسیر میں ابو العالیہ سے مروی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی نے نہ دیکھا جب آپ نے کشتی کو شگاف کیا تھا وہ ایسے بندے تھے کہ اسے کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی تھی مگر جس کو اللہ دکھانا چاہتا تھا۔ اگر قوم انہیں دیکھتی تو وہ اسے کشتی کو شگاف لگانے سے منع کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: اہل سفینہ جزیرہ کی طرف نکلے اور حضرت خضر علیہ السلام پیچھے موجود تھے تو انہوں نے کشتی کو شگاف کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو پھاڑا تو موسیٰ علیہ السلام ایک طرف ہو گئے اور دل میں سوچا کہ میں اس شخص کی سنگت نہیں کروں گا، میں بنی اسرائیل میں کتاب اللہ کی صبح و شام تلاوت کرتا ہوں اور وہ میری اطاعت کرتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں بتاؤں جو تم دل میں سوچ رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: تم ایسا ایسا خیال کر رہے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ نے سچ فرمایا ہے، یہ ثعلبی نے کتاب (العرائس) میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر2۔کشتی کے شگاف کرنے میں دلیل ہے کہ ولی کے لیے جائز ہے کہ وہ یتیم کے مال میں کمی کر دے جب

1۔صحیح بخاری، حدیث خضر مع موسیٰ، جلد 1، صفحہ 482	2۔المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 531

وہ اس میں بھلائی اور اصلاح دیکھے مثلاً اس کے مکان پر کسی ظالم کا خوف دیکھے تو اس کے بعض حصہ کو خراب کر دے۔ امام ابو یوسف نے کہا: ولی کے لیے جائز ہے کہ وہ یتیم کے بعض مال کے عوض بعض مال کے لیے سلطان سے معاملات کرے۔ حمزہ اور کسائی نے (لیغرق) یاء کے ساتھ اور اَهْلَهَا کو یغرق کے فاعل کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے۔ اور جمہور کی قرأت پر لِتُغْرِقَ میں لام مآل کے لیے ہوگا جیسے لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (القصص:8) میں لام عاقبت و مآل کے لیے ہے اور حمزہ کی قرأت پر لام کی ہے، لتغرقنی نہیں فرمایا کیونکہ ان پر فی الحال دوسرے لوگوں پر شفقت غالب تھی اور ان کے حق کی رعایت کا خیال تھا۔ اِمرًا کا معنی عجیب ہے، یہ قتبی کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی منکر ہے، مجاہد نے بھی یہی کہا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: الامر سے مراد بہت بڑی مصیبت ہے اور دلیل کے طور پر یہ شعر پڑھا ہے:

قد لَقِيَ الأقرانُ مِنِّي نُكْرا　　دَاهِيَةً دَهْيَاءَ إِدًّا إِمْرًا

اخفش نے کہا: کہا جاتا ہے اَمِرَ اَمْرُہٗ یامَرُ اَمرًا جب شدت پیدا ہو جائے اسم الاِمر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ اس کے معنی میں دو قول ہیں، (i) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: یہ کلام کی معاریض سے ہے☆ (ii) دوسرا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھول گئے تھے تو معذرت کی، اس میں دلیل ہے کہ نسیان مواخذہ کا مقتضی نہیں ہے، یہ تکلیف کے تحت داخل نہیں اس کے ساتھ طلاق وغیرہ کے احکام متعلق نہیں ہوتے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ اگر دوسری مرتبہ بھی بھول جائے تو معذرت کرے۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝

''پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو تو اس نے اسے قتل کر ڈالا، موسیٰ (غضبناک ہو کر) کہنے لگے: مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلے کے بغیر، بیشک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی نازیبا ہے۔ اس نے کہا: کیا (پہلے ہی) میں نے کہہ نہ دیا تھا آپ کو کہ آپ میری معیت میں صبر نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے کہا: اگر میں پوچھوں آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں آپ میری طرف سے معذور ہوں گے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ بخاری میں ہے یعلیٰ نے کہا سعید نے فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے پائے جو کھیل رہے تھے انہوں نے ایک کافر لڑکا پکڑا اور اسے لٹا دیا پھر اسے چھری سے ذبح کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ نے ایک معصوم جان کو مار ڈالا ہے بغیر کسی نفس کے بدلے کے یعنی اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔

☆ معاریض من الکلام سے مراد ہوتی ہے توریہ کلام کرنا۔ کسی اور کو پیش نظر رکھتے ہوئے کلام کرنا۔ توریہ میں لفظ کا بعیدی معنی پیش نظر ہوتا ہے۔

بخاری و مسلم اور ترمذی میں ہے (1): پھر دونوں کشتی سے نکلے جب وہ ساحل پر چل رہے تھے تو اچانک حضرت خضر علیہ السلام نے ایک لڑکا دیکھا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اس کے سر کو پکڑا اور تن سے جدا کر دیا اور اسے قتل کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: کیا آپ نے معصوم جان کو مار ڈالا ہے بغیر کسی نفس کے بدلے کے، آپ نے بہت عجیب کام کیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہا تھا تجھے کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے؟ فرمایا: یہ جملہ پہلے سے زیادہ سخت تھا، فرمایا: اِنۡ سَاَلۡتُكَ عَنۡ شَیۡءٍۭ بَعۡدَهَا فَلَا تُصٰحِبۡنِیۡ ۚ قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّیۡ عُذۡرًا اگر میں آپ سے اس کے بعد کسی چیز کے بارے میں پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں آپ میری طرف سے معذور ہوں گے۔ اور تفسیر میں ہے حضرت خضر علیہ السلام بچوں کے پاس سے گزرے جو کھیل رہے تھے، آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک لڑکے کو پکڑا ان لڑکوں میں اس سے زیادہ خوبصورت کوئی نہ تھا، پھر ایک پتھر لیا اور اس کے ساتھ اس کا سر کچل دیا اور اسے قتل کر دیا۔ ابوالعالیہ نے کہا: اسے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تھا اگر لوگ حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھتے تو اسکے اور بچے کے درمیان حائل ہو جاتے۔

میں کہتا ہوں: ان تینوں احوال کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ پہلے پتھر کے ساتھ سر کو کچلا ہو پھر اسے لٹا کر ذبح کیا ہو پھر اس کا سر تن سے جدا کر دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ حقیقت حال بہتر جانتا ہے۔ اور تیرے لیے وہ کافی ہے جو صحیح حدیث میں آیا ہے۔ جمہور علماء نے زاکیۃ الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ کوفیوں اور ابن عامر نے زکیۃ بغیر الف کے یاء کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: معنی ایک ہے، یہ کسائی نے کہا ہے، اور ثعلب نے کہا: الزکیۃ وہ ہوتا ہے جس نے گناہ کیا ہو اور پھر توبہ کی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: غُلٰمًا علماء کا غلام کے بارے میں اختلاف ہے، کیا وہ بالغ تھا یا نہیں؟ کلبی نے کہا: وہ بالغ تھا وہ دو شہروں کے درمیان ڈاکہ ڈالتا تھا اس کا باپ ان دو شہروں میں ایک شہر کے عظماء میں سے تھا اور اس کی ماں دوسرے شہر کے عظماء میں سے تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے پکڑا اور اسے گرا دیا اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ کلبی نے کہا: غلام کا نام شمعون تھا۔ ضحاک نے کہا: حیسون تھا۔ وہب نے کہا: اس کے باپ کا نام سلاس اور اس کی ماں کا نام رُحمی تھا۔ سہیلی نے اس کے باپ کا نام زیر اور اس کی ماں کا نام سہوی حکایت کیا ہے۔ جمہور علماء نے کہا: وہ بالغ نہ تھا، اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: زاکیۃ جس نے گناہ نہ کیا تھا، غلام کا لفظ بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ مردوں میں غلام اسے کہا جاتا ہے جو بالغ نہ ہو، اس کے مقابل عورتوں میں جاریۃ (لڑکی) ہوتی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے قتل کیا کیونکہ آپ نے اپنے علم باطنی سے جان لیا تھا کہ وہ کافر ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے (2)، اگر وہ بالغ ہو جاتا تو وہ اپنے والدین کو کفر پر مجبور کرتا، چھوٹے بچے کو قتل کرنا محال نہیں جب اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہو، اللہ تعالیٰ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ ہے۔ ہر چاہت پر قادر ہے اور کتاب (العرائس) میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَکِیَّةً

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ کہف، جلد 2، صفحہ 143
2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 144

الایۃ تو حضرت خضر علیہ السلام غضبناک ہو گئے اور اس کے کندھے کو الگ کیا اس کا گوشت اس سے اتار دیا اس کے کندھے کی ہڈی پر لکھا ہوا تھا: کافر لا یومن من باللہ ابدا۔'' کافر ہے کبھی اللہ پر ایمان نہیں لائے گا'' پہلے قول والے علماء نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ عرب نوجوان پر غلام کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں۔ لیلی الاخلیلیۃ کا قول ہے:

شَفَاها من الدَّاءِ العُضَالِ الذِی بِها غلامٌ إذا هَزَّ القَنَاةَ سقاها

صفوان نے حضرت حسان کو کہا تھا:

تَلَقَّ ذُبَابَ السَّیفِ عَنِّی فَإنَّنِی غلامٌ إذا هُوَ جِیتُ لَسْتُ بشاعِرِ

خبر میں ہے: یہ غلام (لڑکا) زمین میں فساد پھیلاتا تھا اور اپنے والدین کے سامنے قسم اٹھاتا تھا کہ اس نے ایسا نہیں کیا ہے اور اس کے والدین اس کی قسم پر قسم اٹھاتے تھے اور اس کی اس شخص سے حفاظت کرتے تھے جو اسے پکڑنا چاہتا تھا۔ علماء نے کہا: بِغَیْرِ نَفْسٍ کا قول اس بات کا مقتضی ہے کہ اگر وہ کسی نفس کے بدلے میں قتل ہوتا تو کوئی حرج نہ ہوتی۔ یہ غلام کے بڑا ہونے پر دلیل ہے۔ اگر وہ بالغ نہ ہوتا تو اسے کسی نفس کے بدلے قتل کرنا بھی واجب نہ ہوتا، اس کا قتل کرنا جائز تھا کیونکہ وہ بالغ اور گنہگار تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ نوجوان تھا ڈاکہ ڈالتا تھا۔ ابن جبیر کا خیال ہے کہ وہ مکلف ہونے کی عمر کو پہنچ چکا تھا کیونکہ حضرت ابی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت اسی کا تقاضا کرتی ہے: وأما الغلام فکان کافرا وکان أبواہ مؤمنین۔ کفر اور ایمان مکلفین کی صفات سے ہیں غیر مکلف پر کفر کا اطلاق نہیں کیا جاتا مگر والدین کی تبع میں اور اس غلام کے والدین مومن تھے، جس کی دلیل نص قرآنی ہے اور اس پر کافر کے اسم کا اطلاق بلوغت کی وجہ سے ہی تھا، پس اس کا کافر ہونا متعین ہو جاتا ہے۔ الغلام، الاغتلام سے ہے جس کا معنی بہت زیادہ شہوت والا ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نُّكْرًا علماء کا اختلاف ہے کہ نُّكْرًا ابلغ ہے یا امرًا۔ ایک جماعت نے کہا: یہ قتل واضح ہے اور کشتی والوں کے ڈبونے کا انتظار تھا پس نُّكْرًا زیادہ بلیغ ہے۔ ایک جماعت نے کہا: یہ ایک شخص کا قتل ہے اور وہ پوری جماعت کا قتل ہے۔ پس امرًا زیادہ بلیغ ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک دونوں میں مختلف معانی ہیں۔ امراً۔ ایک بہت بڑی ہولناکی ظاہر کر رہا ہے جو متوقع ہے اور نُّكْرًا۔ فساد میں واضح ہے کیونکہ ظاہراً ایک ناپسندیدہ کام واقع ہو چکا ہے۔ اور یہ واضح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ یہ شرط ہے اور وہ لازم ہے۔ مسلمانوں کے معاملات ان کی شرائط کے مطابق ہوتے ہیں اور جو شرائط پوری کرنے کی زیادہ حقدار ہیں وہ وہ ہیں جن کو انبیاء لازم کرتے ہیں اور جو انبیاء کے لیے لازم کی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا پہلی مرتبہ کچھ ہو جائے تو مطلقاً عذر خواہی کے قیام پر دلیل ہے اور دوسری مرتبہ قطعی طور پر حجت کے قیام پر دلیل ہے، یہ ابن عربی نے کہا: ابن عطیہ نے کہا ہو سکتا ہے (1) کہ قصہ احکام میں مدتوں کی اصل ہوا اور وہ مدت تین دن ہے اور تین دن ہی سے احکام مختلف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تُصٰحِبْنِیْ۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 532

جمہور نے اسی طرح پڑھا ہے، یعنی آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں۔ اعرج نے تصحَبَنّی تاء اور باء کے فتحہ کے ساتھ اور نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور تصحَبْنی بھی پڑھا گیا ہے۔ یعقوب نے تُصحِبنی تاء کے ضمہ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، سہل نے اس کو ابو عمرو سے روایت کیا ہے۔ کسائی نے کہا: اس کا معنی ہے تو مجھے نہ چھوڑ کہ میں تیری سنگت اختیار کروں۔

قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا تو میری سنگت چھوڑنے پر معذوری پر پہنچ جائے گا۔ جمہور علماء نے من لدنی دال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، مگر نافع اور عاصم نے نون کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اصل میں لدن ہے اس کے ساتھ یاء متکلم متصل ہوئی جو غلامی اور فرسی میں ہوتی ہے یاء کے ماقبل کو کسرہ دیا گیا جس طرح غلامی اور فرسی میں دیا گیا۔ ابو بکر عاصم سے لَدْنِی لام کے فتحہ اور دال کے سکون اور نون کی تخفیف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ عاصم سے لُدْنِی لام کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ مروی ہے۔ ابن مجاہد نے کہا: یہ غلط ہے۔ ابو علی نے کہا: یہ تغلیط روایت کی جہت سے ہونے کے مشابہ ہے رہا عربیت کے قیاس کی بنا پر تو یہ صحیح ہے۔ جمہور نے عذراً پڑھا ہے۔ عیسیٰ نے عذراً ذال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دانی نے حکایت کیا ہے کہ حضرت اُبی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ''عُذُرِی'' راء کے کسرہ اور اس کے بعد یاء کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مسئلہ: طبری نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے (1) فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کے لیے دعا کرتے تو پہلے اپنا ذکر کرتے ایک روایت میں فرمایا: ''رحمة الله علینا وعلی موسیٰ'' اگر وہ اپنے ساتھی کے ساتھ صبر کرتے تو عجیب چیزیں دیکھتے، لیکن انہوں نے کہا: ''فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا۔ اور صحیح مسلم میں ہے (2) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رحمة الله علینا وعلی موسیٰ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی نہ کرتے تو عجیب باتیں دیکھتے لیکن انہیں اپنے ساتھی کی طرف سے عار نے آلیا اگر وہ صبر کرتے تو عجیب چیزیں دیکھتے''۔ فرمایا: جب آپ کسی نبی کا ذکر کرتے تو پہلے اپنا ذکر کرتے، آپ فرماتے: ''رحمة الله علینا وعلی اخی کذا''۔ اور بخاری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے (3) فرمایا: ''یرحم الله موسیٰ لوددنا أنه صبر حتی یقص علینا من امرهما''۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ہماری خواہش تھی کہ آپ صبر کرتے تاکہ ہم پر ان کے معاملات بیان کیے جاتے۔

مسلم کی حدیث میں ذمامة کا لفظ آیا ہے، یہ المذمّة (ذال کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ) کے معنی میں ہے جس کا معنی ہے حرمت کے ترک پر عار اور رقت محسوس کرنا۔ کہا جاتا ہے: أخذتنی منك مَذَمّة ومَذِمّة وذمامة۔ گویا وہ مخالفت کے تکرار سے شرم محسوس کرنے لگے اور انکار کی تغلیظ کی جو ان سے صادر ہوئی اس پر رقت محسوس کرنے لگے۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ِۨاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ۝۷۷ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ۝۷۸

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 332 2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، خضر مع موسیٰ، جلد 2، صفحہ 271

3۔ صحیح بخاری، خضر مع موسیٰ، جلد 1، صفحہ 483

''پھر وہ چل پڑے یہاں تک کہ جب ان کا گزر ہوا گاؤں والوں کے پاس سے تو انہوں نے ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے (صاف) انکار کر دیا ان کی میزبانی کرنے سے پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے درست کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری ہی لے لیتے۔ اس نے کہا: (بس سنگت ختم) اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا ہے، میں آگاہ کرتا ہوں آپ کو ان باتوں کی حقیقت پر جن کے متعلق آپ صبر نہ کر سکے''۔

اس میں تیرہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ۣ صحیح مسلم میں حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ''لئام'' کا لفظ روایت کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام مجالس میں گھومتے تھے اور ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے میزبانی کرنے سے انکار کیا، پھر ان دونوں نے ایک جھکی ہوئی دیوار دیکھی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے درست کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہم اس قوم کے پاس آئے انہوں نے نہ ہماری میزبانی کی اور نہ کھانا کھلایا، اگر آپ چاہتے تو اس پر محنت ہی طلب کر لیتے، تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: یہ تمہاری اور میری جدائی کا وقت ہے، میں تجھے ان باتوں کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں جن پر تم صبر نہ کر سکے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے میری خواہش تھی کہ آپ صبر کرتے حتیٰ کہ ہم پر ان کے واقعات واخبار ذکر کی جاتیں''(1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس گاؤں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ اَبُلَّة (ایلہ) تھا: یہ قتادہ کا قول ہے، اسی طرح محمد بن سیرین نے کہا ہے: یہ بخیل ترین لوگوں کا گاؤں تھا اور آسمان سے یعنی اس کی رحمت سے بہت دور تھا۔ بعض نے کہا: یہ انطاکیہ کا گاؤں تھا۔ بعض نے کہا: اندلس کا جزیرہ تھا: یہ حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے مروی ہے۔ یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ سبز جزیرہ تھا۔ ایک جماعت نے کہا: یہ باجروان تھا یہ آذربائیجان کے قریب ہے۔ سہیلی نے حکایت کیا ہے فرمایا: یہ برقۃ ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ روم کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات تھا، اسے ناصرہ کہا جاتا تھا: اس کی طرف نصاریٰ منسوب ہیں۔ یہ سب اس اختلاف کی بنا پر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کس علاقہ میں ہوا؟ حقیقت حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی بکریوں کو پانی پلایا تھا تو اس وقت انہیں کھانے کی زیادہ ضرورت تھی بنسبت اس وقت کے جب حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ دیہات میں آئے تھے، اس وقت تو انہوں نے خوراک طلب نہیں کی تھی بلکہ پہلے بکریوں کو پانی پلایا تھا اور یہاں خوراک کا سوال کیا ہے۔ اس مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک یہ ہے کہ مدین کے سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے تھے اور یہاں حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ان کی اتباع میں تھے۔ میں کہتا ہوں: اس معنی کی بنا پر آیت کی ابتدا میں اپنے نوجوان کو بھی کہا تھا: اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، خضر مع موسیٰ، جلد 2، صفحہ 269

مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھوک کا اظہار کیا اپنے ساتھی یوشع کی رعایت کرتے ہوئے۔ واللہ اعلم۔
بعض علماء نے فرمایا: جب یہ سفر تادیب تھا تو انہیں مشقت میں مبتلا کیا گیا اور وہ سفر، سفر ہجرت تھا تو ان کی خوراک کے ذریعے مدد اور نصرت کے سپرد کیے گئے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اس آیت میں خوراک کے سوال کرنے پر دلیل ہے، اگر کوئی شخص بھوکا ہو تو اسے وہ چیز طلب کرنی چاہیے جو اس کی بھوک کو ختم کردے، جبکہ جاہل صوفیاء اس کے مخالف ہیں۔ الاستطعام کا معنی کھانا طلب کرنا ہے، یہاں مراد ضیافت کا سوال ہے، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا۔ اسی وجہ سے اس گاؤں والے مذمت کے مستحق ٹھہرے اور کمینگی اور بخل کی طرف منسوب کیے گئے جیسا کہ ہمارے نبی پاک ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا ہے۔ قتادہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: بدترین وہ گاؤں ہے جس میں مہمان کی مہمان نوازی نہیں کی جاتی اور مسافر کا حق نہیں پہنچایا جاتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضیافت ان پر واجب تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے اس کا مطالبہ کیا جو ضیافت میں سے واجب تھا۔ انبیاء کی حالت اور فضلاء و اولیاء کے منصب کے یہی لائق ہے۔ ضیافت کے بارے میں قول سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ حریری ☆ کو معاف کرے جس نے اس آیت میں مناسب گفتگو نہیں کی، اس سے اس میں لغزش ہوئی ہے، اس نے اس آیت سے اصرار سے سوال کرنے پر استدلال کیا ہے اور ایسا کرنے والے پر یہ عیب نہیں ہے اور اس پر کوئی نقص نہیں ہے، اس نے کہا:

وإن رُدِدْتَ فما في الرَّدِّ مَنْقَصَةٌ عليك وقد رُدَّ موسى قبلُ والخَضِرُ

میں کہتا ہوں: یہ دین کے ساتھ مزاح ہے اور انبیاء کرام کے احترام میں کوتاہی ہے، یہ ادبی لغزش ہے اور نامناسب قول ہے۔ اللہ تعالیٰ سلف صالحین پر رحم فرمائے، انہوں نے ہر ذی عقل کو وصیت کرنے میں مبالغہ کیا ہے، انہوں نے کہا: جب تو کسی چیز سے کھیلنے والا ہو تو دین سے کھیل سے اجتناب کر۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جِدَارًا۔ الجدار و الجدر دونوں کا ایک معنی ہے، حدیث شریف میں ''حتی یبلغ الماء الجدر'' (1)۔ حتیٰ کہ پانی کھیت کی وٹوں تک پہنچ جائے۔ مکان جَدِيْرٌ بُنِیَ حوالیہ جدار۔ بہتر مکان وہ ہے جس کے ارد گرد دیوار بنائی گئی ہو، اصل معنی اٹھانا ہے۔ أجدرت الشجرة، درخت نکل آیا، اسی سے الجدری ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ گرنے کے قریب تھی، یہ مجاز ہے اس کی تفسیر حدیث میں (مائل) کے قول سے کی گئی ہے، اس میں دلیل ہے کہ قرآن میں مجاز موجود ہے، یہی جمہور کا مذہب ہے۔ وہ تمام افعال جن کا حق یہ ہے کہ وہ زندہ ناطق کے لیے ہوں جب وہ جمادات اور چوپاؤں کی طرف منسوب ہوں تو وہ مجاز ہوگا یعنی اگر ان کی جگہ انسان ہوتا تو وہ اس فعل کے مناسب ہوتا۔ کلام عرب میں مجاز کثیر ہے، اسی سے اعشیٰ کا قول ہے:

1۔ صحیح بخاری، کتاب المساقاۃ، شرب الاعلی قبل الاسفل، جلد 1، صفحہ 318

☆ ابو محمد قاسم بن علی بن محمد بصری۔

أَتَنْتَهون ولا يَنْهَى ذَوِى شَطَطٍ كالطعنِ يذهبُ فيه الزَّيتُ والفُتُلُ

اعشی نے نہی کو الطعن کی طرف منسوب کیا ہے۔

اور ایک شاعر نے کہا:

يُرِيدُ الرمحُ صدر أَبِي بَرَاءٍ ويرغبُ عن دماء بني عقيل(1)

اس میں فعل یرید کی نسبت الرمح (نیزہ) کی طرف ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

إنْ دهرًا يلفُّ شَمْلِي بجُمْلٍ لَزمانٌ يَهُمّ بالإحسان

ایک اور شاعر نے کہا:

فى مهمة فُلِقت به هاماتها فَلَقَ الفُؤس إذا أردن نُصُولًا

یہ عربوں کے قول: نَصَلَ السیفُ سے مشتق ہے جب وہ نشانہ پر لگ جائے تلواروں کے ان کے سروں پر واقع ہونے پر زمین میں ہتھوڑے کے واقع ہونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ ہتھوڑا زمین میں واقع ہوتا ہے تو جلدی نکلتا نہیں۔ حضرت حسان بن ثابت نے کہا:

لَو أَنَّ اللُّؤمَ يُنسبُ كان عَبْدًا قبيحَ الوجهِ أَعْوَرَ مِنْ ثَقِيفِ

عنترہ نے کہا:

فأزورّ من وَقْعِ القَنَا بِلَبَانِهِ وَشَكَا إِلَى بِعَبْرَةٍ وَتَحَمْحُمِ

اس معنی کی تفسیر اس قول سے بھی ہوتی ہے:

لوکان یدری ما المُحاورۃ اشتکی

اس مفہوم میں بہت سی مثالیں موجود ہیں، اسی سے لوگوں کا قول ہے: إن داری تنظرالی دار فلان۔ دیکھنے کی نسبت دار کی طرف کی گئی ہے۔ حدیث میں ہے۔ اشتکت النار الی ربھا (2)۔ شکایت کی نسبت آگ کی طرف کی گئی ہے، ایک قوم نے قرآن میں مجاز سے منع کیا ہے، ان میں ابو اسحاق اسفرائینی، ابوبکر محمد بن داؤد اصبہانی وغیرہما ہیں، کیونکہ اللہ کا کلام اور اس کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے، کیونکہ وہ حق بیان کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، نیز ان علماء نے اس سے بھی حجت پکڑی ہے کہا: اگر اللہ تعالیٰ مجاز سے ہمیں خطاب فرماتا ہے تو اسے متجوز کہنا بھی لازم آئے گا۔ اور حقیقت سے مجاز کی طرف عدول، حقیقت سے عجز کا تقاضا کرتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نسبت کرنا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (النور)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 533

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، استحباب الابراد بالظہر، جلد 1، صفحہ 224

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ⑫ (الفرقان)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ⑰ (المعارج)

اور حدیث شریف میں ہے: ''اشتكت النار إلى ربها''۔ آگ نے اپنے رب کی بارگاہ میں شکایت کی۔ اور حدیث میں ہے: ''واحتجت النار والجنة''۔ دوزخ اور جنت کا مناظرہ ہوا۔ اور اس کی مثل سب حقیقت ہیں اور ان کا خالق وہ ہے جس نے ہر چیز کو بولنے کی قوت بخشی۔

صحیح مسلم میں ہے (1) حضرت انس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ''انسان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران کو کہا جائے گا تو بول پس اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال کے بارے میں بولیں گی تاکہ اللہ اس کا عذر زائل کر دے یہ وہ منافق ہے اور یہ وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا''۔ اور یہ آخرت میں ہوگا، اور رہا دنیا میں تو ترمذی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (2) کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ درندے، انسانوں سے کلام کریں گے اور حتیٰ کہ انسان سے اس کے کوڑے کا پھندا اور اس کی جوتی کا تسمہ بات کرے گا اور اس کی ران اسے وہ سب کچھ بتائے گی جو اس کے گھر والوں نے اس کے بعد کیا''۔ ابوعیسیٰ نے کہا: حضرت ابوہریرہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے، یہ حدیث حسن غریب ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَقَامَهٗ بعض علماء نے فرمایا: پہلے دیوار کو گرایا پھر اسے بنایا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: اگر تو چاہتا تو اس پر اجرت ہی لے لیتا، کیونکہ یہ ایسا فعل تھا جو اجر کا مستحق تھا۔ ابوبکر انباری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے ابوبکر سے انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے پڑھا: ''فوجدا فيها جدارا يريد أن ينقض فهدمه ثم قعد يبنيه''۔ ابوبکر نے کہا: اس حدیث کی اگر سند صحیح ہے تو یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قرآن کی تفسیر کے قائم مقام ہوگی۔ بعض ناقلین نے تفسیر کی جگہ میں قرآن کو داخل کر دیا کہ یہ قرآن ہے، مصحف عثمان سے کمی ہوئی ہے، جیسا کہ بعض طعن کرنے والوں نے کہا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے دیوار کو مس کیا اور اسے سیدھا کیا تو وہ سیدھی ہو گئی، یہ قول صحیح ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے افعال کے زیادہ مناسب ہے بلکہ اولیاء کی شان کے بھی زیادہ مناسب ہے۔ بعض اخبار میں ہے: اس دیوار کی اونچائی اس صدی کے تیس ذراع کے برابر تھی اور طول پانچ سو ہاتھ کے برابر تھا، تو سیدھی کھڑی ہو گئی؛ یہ ثعلبی نے کتاب العرائس میں بیان کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر اجر ہی لے لیتے، یعنی کھانا لے لیتے جسے ہم کھاتے اس میں اولیاء کی کرامات پر دلیل ہے۔ اسی طرح واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام کے احوال میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سب خارق العادات امور ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے جب ہم انہیں ولی تسلیم کریں، نبی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 409

2۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، ماجاء کلام السباع، جلد 2، صفحہ 41۔ ایضاً، حدیث نمبر 2107، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

تسلیم نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ یہ ان کی نبوت کی دلیل ہے انہیں تکلیف اور احکام کی وحی کی جاتی تھی جس طرح انبیاء کو وحی کی جاتی ہے مگر وہ رسول نہیں تھے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 8۔ انسان پر واجب ہے کہ جھکی ہوئی دیوار کے نیچے نہ بیٹھے جس کے گرنے کا اندیشہ ہو بلکہ وہاں سے گزرے تو جلدی چلے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے: ''جب تم میں سے کوئی بلند جھکی ہوئی دیوار کے پاس سے گزرے تو اسے جلدی چلنا چاہیے'' ☆۔ ابوعبیدہ قاسم بن سلام نے کہا: ابوعبیدہ کہتے تھے: الطربال کا لفظ عجمیوں کی بلڈنگ کے مشابہ ہے جیسے گرجا گھر اور بلند عمارت، جریر نے کہا:

أَلْوَی بِهَا شَذْبُ العُرُوقِ مُشَذَّبٌ فَكَأَنَّمَا وَكَنَتْ عَلَى طِرْبَالِ

کہا جاتا ہے: وَكَنَ يَكِنُ جب کوئی بیٹھے۔ صحاح میں ہے: الطربال دیوار کا بلند ٹکڑا، پہاڑ کی جھکی ہوئی بڑی چٹان۔ طرابیل الشام۔ شام کے گرجے۔ کہا جاتا ہے: طَرْبَلَ بَوْلَهٗ جب اوپر کی طرف لمبا کرے۔

مسئلہ نمبر 9۔ کرامات اولیاء ثابت ہیں جیسا کہ اخبار ثابتہ اور آیات متواترہ دلالت کرتی ہیں۔ اس کا انکار نہیں کرتا مگر بدعتی، ہٹ دھرم یا فاسق منحرف، قرآن کی آیات مریم علیہا السلام کے بارے میں بتاتی ہیں کہ ان کے پاس گرمیوں کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں ہوتے تھے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ انہوں نے کھجور کے درخت کو حکم دیا وہ بالکل خشک تھا تو وہ پھلدار ہو گیا۔ حضرت مریم نبیہ نہیں تھیں، اس پر اختلاف ہے۔ اور کرامات پر دلیل حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ پر کشتی کا پھٹنا، غلام کا قتل کرنا اور دیوار کو کھڑا کرنا سب کرامات ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ کہنا جائز نہیں کہ انہیں نبی کہا جائے کیونکہ نبوت کا ثابت کرنا اخبار احاد کے ساتھ جائز نہیں خصوصاً بغیر کسی احتمال کے اجماع امت سے تواتر کے طریق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ: ''لانبی بعدی'' (1)۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خاتم النبیین۔ حضرت خضر علیہ اور حضرت الیاس علیہما السلام اس کرامت کے ساتھ باقی ہیں، پس ان دونوں کا غیر نبی ہونا واجب ہے، کیونکہ اگر وہ نبی ہوتے تو ہمارے نبی کے بعد نبی کا ہونا واجب ہوتا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تشریف لائیں گے اس پر دلیل قائم ہے۔ میں کہتا ہوں: جمہور کا خیال ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں یعنی ابتداً آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا کوئی نہیں۔

مسئلہ نمبر 10۔ لوگوں کا اختلاف ہے کہ کیا ولی جانتا ہے کہ وہ ولی ہے یا نہیں جانتا؟ علماء کے دو قول ہیں: 1۔ قول یہ ہے کہ ولی کے لیے یہ جاننا جائز نہیں اور جو اس کے ہاتھوں پر ظاہر ہو وہ اسے خفیہ تدبیر کی آنکھ سے ملاحظہ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے یہ خفیہ تدبیر اور استدراج ہو۔ سری سے حکایت ہے کہ وہ فرماتے تھے: اگر ایک شخص باغ میں داخل ہو اور اس سے درخت کے اوپر سے ایک پرندہ فصیح زبان میں کلام کرے: اے اللہ کے ولی! تجھ پر سلام ہو، پھر وہ اس سے یہ خوف نہ کرے کہ یہ خفیہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، ما ذکر عن بنی اسرائیل، جلد 1، صفحہ 491

☆ ابوعبید نے اسے غریب الحدیث میں ذکر کیا ہے جلد 2، صفحہ 18

تدبیر ہوگی تو وہ خفیہ تدبیر میں مبتلا کیا گیا ہے، کیونکہ وہ اگر یہ جان لے گا کہ وہ ولی ہے تو اس سے خوف زائل ہو جائے گا اور اسے امن حاصل ہوگا اور ولی کی شرط میں سے ہے کہ اسے ہمیشہ امید ہو کہ اس پر فرشتے نازل ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا (حم السجدہ:30)، ولی وہ ہوتا ہے جس کا خاتمہ سعادت پر ہو اور عواقب پوشیدہ ہوتے ہیں کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کیسا ہوگا؟ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إنما الأعمال بالخواتيم'' (1)۔ اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ولی کے لیے یہ جاننا جائز ہے کہ وہ ولی ہے، کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جاننا جائز ہے کہ وہ ولی ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کوئی دوسرا جان لے کہ وہ ولی ہے تو اس کے لیے خود جاننا بھی جائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشرہ مبشرہ صحابہ کو اہل جنت میں ہونے کی خوشخبری دی پھر بھی ان کا خوف زائل نہ ہوا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ تعظیم کرنے والے تھے اور انہیں خوف زیادہ تھا، اگر عشرہ مبشرہ صحابہ کے لیے جائز ہے کہ وہ خوف سے نہیں نکلے تو دوسروں کے لیے بھی جائز ہے۔ شبلی کہتے تھے: میں اس جانب سے امان میں ہوں۔ جب شبلی فوت ہوئے اور دفن کر دیے گئے تو دیلم ☆ اسی دن دجلہ عبور کر آئے اور بغداد پر غالب آ گئے۔ لوگ کہتے تھے: دو مصیبتیں آ گئیں: شبلی کی موت اور دیلم کا عبور کرنا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس میں بھی احتمال ہے کہ یہ بھی استدراج ہو، اگر یہ استدراج ہو جب یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں تو معجزات کا ابطال ہے تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں کرامات کا ابطال ہے اور بلعام کے ہاتھوں پر کرامات کا ظہور اور پھر اس کے بعد اس کا دین سے خروج کیونکہ آیت میں ہے: فَانْسَلَخَ مِنْهَا، تو آیت میں یہ نہیں ہے کہ وہ ولی تھا پھر اس سے ولایت چلی گئی نیز کرامات کے طور پر جو ظاہر ہوا ہے وہ اخبار احاد ہیں جن سے علم ثابت نہیں ہوتا، واللہ اعلم۔

معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ کرامت کی شرط میں سے اس کا چھپانا ہے اور معجزہ کی شرط میں سے اس کا اظہار کرنا ہے۔ بعض نے فرمایا: کرامت وہ ہوتی ہے جو بغیر دعویٰ کے ظاہر ہوتی ہے اور معجزہ انبیاء کے دعویٰ کے وقت ظاہر ہوتا ہے ان سے دلیل کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اس کے بعد معجزہ وہ ظاہر کرتا ہے، کتاب کے مقدمہ میں معجزہ کی شرائط گزر چکی ہیں۔ الحمد للہ وحدہ لاشریک لہ۔

ایسی احادیث جو کرامت کے ثبوت پر وارد ہیں ان میں سے ایک وہ بھی ہے جو امام بخاری نے نقل فرمائی ہے (2)، حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن دس آدمیوں کا ایک گروہ بطور جاسوس بھیجا اور ان کا امیر عاصم بن ثابت انصاری کو بنایا تھا۔ یہ عاصم بن عمر بن خطاب کے دادا تھے ☆ پس وہ چلے حتیٰ کہ جب ھداۃ مقام پر پہنچے جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے تو ان کا ذکر ہذیل کے ایک قبیلہ سے کیا گیا جنہیں بنو لحیان کہا جاتا تھا، انہوں نے اپنے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 2، صفحہ 961 2۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، هل يستاسر الرجل، جلد 1 صفحہ 427

☆ یہ ایک قبیلہ ہے ان کے علاقہ کی وجہ سے انہیں یہ نام دیا گیا۔

☆ قسطلانی نے ارشاد الساری جلد 5 صفحہ 163 میں کہا: مصعب زہری نے کہا یہ عاصم کے ماموں تھے۔

دو سو کے قریب تیرانداز تیار کیے وہ ان کے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے چلے حتیٰ کہ انہوں نے ان کے کھانے کی جگہ پر کھجوریں پائیں جو مدینہ طیبہ سے لے آئے تھے، وہ کہنے لگے: یہ تو مدینہ کی کھجوریں ہیں وہ ان کے قدموں کے نشانات پر چلے جب عاصم اور اس کے ساتھیوں نے انہیں دیکھا تو وہ ایک بلند جگہ پر چڑھ گئے اور بنولحیان نے ان کا احاطہ کر لیا، انہوں نے انہیں کہا: تم اُتر آؤ اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو ہم تمہیں عہد اور وعدہ دیتے ہیں کہ ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ عاصم جو اس گروہ کا سردار تھا اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو آج کافر کے ذمہ میں نہیں اتروں گا اور دُعا کی: اے اللہ اپنے نبی مکرم ﷺ کو ہماری خبر پہنچا دے۔ بنولحیان نے تیر مارے اور عاصم اور چھ مزید لوگوں کو قتل کر دیا۔ تین مسلمان، ان کے عہد ومیثاق پر نیچے اتر آئے تھے وہ خبیب انصاری، ابن دثنہ اور ایک شخص تھا جب وہ ان پر غالب آ گئے تو انہوں نے اپنی کمانوں کی رسیاں کھولیں اور انہیں ان سے باندھ دیا تیسرے شخص نے کہا: یہ پہلا غدر ہے، اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ نہیں چلوں گا میرے لیے ان مقتولوں کا اُسوہ ہے۔ بنولحیان نے اسے کھینچا اور اسے ساتھ لے جانے کی کوشش کی لیکن اس نے ایسا نہ کیا انہوں نے اسے بھی قتل کر دیا وہ خبیب اور ابن دثنہ کو لے کر چلے حتیٰ کہ انہوں نے جنگ بدر کے بعد مکہ میں انہیں فروخت کر دیا۔ بنو حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف نے خبیب کو خریدا، خبیب وہ شخص تھا جس نے حارث بن عامر کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا۔ حضرت خبیب ان کے پاس قیدی بن کر رہے۔ عبید اللہ بن عیاض نے بتایا کہ بنت حارث نے انہیں بتایا کہ جب وہ (بنولحیان) جمع ہوئے تھے تو خبیب نے استرا مانگا جس کے ساتھ وہ اپنے بال صاف کرے تو اس عورت نے اسے استرا دے دیا، پھر وہ کہتی ہے: میں غافل تھی تو میرا بچہ اس کے پاس چلا گیا تو اس نے اسے پکڑ لیا وہ عورت کہتی ہے میں نے خبیب کو دیکھا کہ وہ اس بچے کو اپنی ران پر بٹھائے ہوئے ہے اور استرا اس کے ہاتھوں میں ہے۔ اس عورت نے کہا: میں گھبرا گئی۔ خبیب میری گھبراہٹ میرے چہرے سے پہچان گئے حضرت خبیب نے کہا کیا: تو خوف کر رہی ہے کہ میں اسے قتل کر دوں گا؟ میں ایسا نہیں کروں گا، اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے خبیب سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا اللہ کی قسم! میں نے ایک دن اسے ہاتھوں میں انگور لے کر کھاتے ہوئے دیکھا حالانکہ وہ لوہے کی زنجیروں کے ساتھ باندھا ہوا تھا اور مکہ میں کوئی پھل نہیں تھا، وہ کہتی تھی: یہ وہ رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے خبیب کو دیا تھا جب وہ خبیب کو حرم سے باہر لے کر گئے تا کہ اسے حرم سے نکالیں تو خبیب نے اسے کہا: مجھے چھوڑ دو میں دو رکعتیں ادا کر لوں پھر حضرت خبیب نے دو رکعتیں ادا کیں پھر فرمایا: اگر تم یہ گمان نہ کرتے کہ میں موت سے ڈر گیا ہوں تو میں رکعتوں کو لمبا کرتا پھر فرمایا: اے اللہ! ان کو جڑ سے ختم کر دے اور انہیں جدا جدا کر کے قتل کر دے اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ پھر کہا:

وَلستُ اُبالِي حِين أُقتَلُ مُسْلِما		على أيِّ شِقٍّ كان لِلّه مَصْرَعِي

وذلك في ذاتِ الإلهِ وإنْ يَشَأْ		يُبارِكْ على أوصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

مجھے کوئی پرواہ نہیں جب میں مسلمان ہو کر قتل کیا جاؤں گا جس طرف بھی اللہ کی رضا کے لیے میرا گرنا ہو گا یہ ذات الٰہی کے لیے ہے اگر وہ چاہے گا تو ٹکڑے ہوئے اعضاء میں بھی برکت ڈال دے گا۔

بنو حارث نے حضرت خبیب کو قتل کر دیا، خبیب وہ شخص تھا جس نے ہر مسلمان کے لیے دو رکعت سنت چھوڑیں جو باندھ کر قتل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم کی دُعا قبول فرمائی تھی جب وہ شہید ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو ان کی شہادت کی خبر پہنچا دی۔

کفار قریش کو جب خبر پہنچی کہ حضرت عاصم قتل ہو گئے ہیں تو انہوں نے کچھ لوگوں کو بھیجا تا کہ وہ عاصم کے جسم سے کچھ کاٹ کر لے آئیں تا کہ وہ اسے پہچان لیں۔ حضرت عاصم نے بدر کی جنگ میں ان کے ایک سردار کو قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم کی حفاظت کے لیے بھڑوں کو بھیج دیا جنہوں نے ان کی طرف آنے والے افراد سے حضرت عاصم کی حفاظت کی وہ ان کا گوشت کاٹنے پر قادر نہ ہوئے (1)۔

ابن اسحاق نے اس واقعہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عاصم بن ثابت جب شہید ہو گئے تو ہذیل نے ارادہ کیا کہ ان کا سر کاٹ لیں تا کہ اسے سلافہ بنت سعد کے ہاں فروخت کریں اس نے نذر مانی تھی جب حضرت عاصم نے اس کے بیٹوں کو جنگ احد میں قتل کیا تھا کہ اگر وہ اس کے سر پر قادر ہوئی تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی تو بھڑوں نے حضرت عاصم کی حفاظت کی، جب بھڑیں حائل ہو گئیں تو انہوں نے کہا: اسے چھوڑ دو حتیٰ کہ شام ہو جائے تو شام کے وقت بھڑیں چلی جائیں گی پھر ہم اس کو کاٹ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وادی کو حکم دیا تو اس نے حضرت عاصم کو اٹھا لیا اور وہ غائب ہو گئے۔ حضرت عاصم نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ کسی مشرک کو نہ چھوئیں گے اور نہ کوئی مشرک انہیں چھوئے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کے بعد محفوظ فرمایا اس سے جس سے وہ زندگی میں بچتے رہے۔

عمرو بن امیہ ضمری سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تنہا بطور جاسوس بھیجا فرمایا میں خبیب کی سولی کے پاس آیا میں اس پر چڑھا میں دیکھنے والوں سے ڈر رہا تھا، میں نے خبیب کو سولی سے کھولا تو وہ زمین پر گرے پھر میں اترا پھر میں تھوڑا سا دور ہوا پھر میں متوجہ ہوا تو زمین نے اسے نگل لیا تھا۔ ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ آج تک خبیب کی قبر کا ہم سے ذکر نہیں کیا گیا، یہ بیہقی نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ یہ کوئی ناپسندیدہ بات نہیں کہ ولی کے لیے مال اور جائیداد ہو جس کے ساتھ وہ اپنی ذات اور عیال کی حفاظت کرے۔ صحابہ کرام کی ذوات میں تیرے لیے اسوہ کافی ہے کہ ان کی ولایت وفضیلت کے باوجود ان کے اموال تھے اور وہ دوسروں پر حجت تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں (2) فرمایا: ''ایک شخص صحرا میں تھا اس نے بادل میں ایک آواز سنی فلاں کے باغ کو پانی پلا، وہ بادل چلا اور پتھریلے ٹیلے میں اپنا پانی برسایا وہاں جو پانی کا نالا تھا وہ پانی سے بھر گیا وہ شخص اس پانی کے پیچھے پیچھے چلا تو کیا دیکھا ایک آدمی کسی کے ساتھ پانی کو پھیر رہا ہے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: فلاں، وہ نام ذکر کیا جو اس نے بادل کے اندر سے سنا تھا۔ اس نے کہا: اے اللہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، هل يستاسر الرجل، جلد 1، صفحہ 427

2۔ صحیح مسلم، کتاب الزهد، فضل الانفاق على المساكين وابن السبيل، جلد 2، صفحہ 411

کے بندے! تو نے میرا نام کیوں پوچھا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس بادل میں آواز سنی تھی جس کا یہ پانی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا: فلاں کے باغ کو پانی پلا، اس نے تیرا نام لیا تھا، تو اس میں کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا جب تو کہتا ہے (تو سن) میں اس باغ کی کل پیداوار کو دیکھتا ہوں پھر اس سے ایک تہائی صدقہ کرتا ہوں ایک تہائی میں اور میرا عیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی اس میں پھر کاشت کرتا ہوں"۔ ایک روایت میں ہے: "اس کا ایک تہائی مسکین، سائلین اور مسافروں کے لیے رکھتا ہوں" (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "لاتتخذوا الضیعة فترکنوا الی الدنیا" (تم جائیداد نہ بناؤ ورنہ دنیا کی طرف جھک جاؤ گے) کے منافی نہیں ہے۔ اس حدیث کو ترمذی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے (2)، اور فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ یہ حدیث اس پر محمول ہے جو کثرت مال کی خاطر جائیداد بناتا ہے یا جائیداد سے لطف اندوز ہونے کے لیے جائیداد اکٹھی کرتا ہے لیکن وہ شخص جو بطور معیشت جائیداد بناتا ہے تاکہ اس کے ساتھ اپنے دین اور اپنے عیال کی حفاظت کرے تو اس نیت سے جائیداد بنانا افضل عمل ہے اور یہ افضل مال ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "بہتر مال نیک شخص کے لیے ہے" (3)۔ کرامات اولیاء، بہت سے لوگوں نے کثرت سے ذکر کی ہیں جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس میں کفایت ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا اس میں اجارہ کے جواز کی صحت پر دلیل ہے یہ انبیاء اور اولیاء کی سنت ہے جیسا کہ اس کا بیان سورۃ القصص میں ان شاء اللہ آئے گا۔ جمہور علماء نے لَتَّخَذْتَ اور ابوعمرو نے لَتَخِذْتَ پڑھا ہے۔ حضرت ابن مسعود، حسن اور قتادہ کی یہی قرأت ہے یہ دونوں لغتیں ہیں اور دونوں کا معنی ایک ہے۔ اور الأخذ سے مشتق ہے جیسے تیسرا قول ہے: تبع واتبع تقی واتقی۔ بعض قراء نے ذال کو تاء میں ادغام کیا ہے اور بعض نے مدغم نہیں کیا ہے۔ حضرت ابی ابن کعب کی حدیث میں ہے: لوشئت لأوتیت أجرًا (4)۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی جہت سے سوال صادر ہوا تھا نہ کہ بطور اعتراض تھا۔ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو کہا: هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ کا تکرار اور بیننا سے عدول تاکید کی خاطر ہے۔ سیبویہ نے کہا، کہا جاتا ہے: أخزى الله الكاذب مني ومنك یعني منا یعنی ہم میں سے جھوٹے کو اللہ رسوا کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول کشتی اور غلام کے بارے میں اللہ کے لیے تھا اور دیوار کے بارے میں قول اپنی ذات کے لیے دنیا کی چیز طلب کرنے کے لیے تھا، پس یہی جدائی کا سبب بنا۔ وہب بن منبہ نے کہا: وہ دیوار سو ہاتھ اونچی تھی۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا کسی چیز کی تاویل کا مطلب ہے اس کا انجام یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ سے کہا: میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کیا ہے کیوں کیا ہے؟ ان آیات کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حجت ہیں نہ کہ ان کے لیے تعجب ہیں، یہ اس طرح ہے کہ جب کشتی کے پھاڑنے پر انکار کیا تو آواز دی گئی: اے موسیٰ! یہ تیری تدبیر کہاں تھی جب تو تابوت میں تھا اور تجھے دریا میں ڈالا گیا تھا، پھر

1۔ جامع ترمذی، ہم الدنیا، جلد 2، صفحہ 56

2۔ جامع ترمذی کتاب الزھد، باب ماجاء فی ہم الدنیا وحبھا، حدیث 2250

3۔ مسند امام احمد بن حنبل حدیث نمبر 17763

4۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ کہف، اذ قال موسی لفتاہ، جلد 2، صفحہ 688

جب لڑکے کے مسئلہ پر انکار کیا تو ارشاد ہوا: یہ تیرا انکار کہاں تھا تو نے جب قبطی کو مارا تھا اور اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا، جب دیوار کے کھڑے کرنے پر انکار کیا تو آواز دی گئی: یہ کہاں تھا جب تو حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کے لیے کنوئیں کا پتھر بغیر اجرت کے اٹھا رہا تھا۔

اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ یَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾

''وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں، سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنا دوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی۔ اور وہ جو لڑکا تھا (تو اس کی حقیقت یہ ہے) کہ اس کے والدین مومن تھے پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کر دے گا انہیں سرکشی پر۔ پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب ایسا بیٹا جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو۔ باقی رہی دیوار (تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے انکا خزانہ (دفن) تھا اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا، پس آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور نکال لیں اپنا دفینہ یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی، اور (جو کچھ میں نے کیا) میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا یہ حقیقت ہے ان امور کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ جو علماء کہتے ہیں فقیر سے مسکین بہتر حال میں ہوتا ہے انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے، اس کا معنی سورۂ براءۃ میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ لوگ تاجر تھے لیکن چونکہ وہ مسافر تھے وہ دریا کے اوپر تھے ان کے پاس مال کم تھا اور تکلیف کو دور کرنے کی حالت میں کمزور تھے تو انہیں مساکین کہا گیا کیونکہ وہ ایسی حالت میں تھے کہ اس کے سبب ان پر شفقت کی گئی ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے تو کسی غنی شخص کے بارے میں کہتا ہے جو کسی تکلیف اور مصیبت میں واقع ہوا ہے: مسکین ہے۔ کعب وغیرہ نے کہا: یہ مساکین دس بھائی تھے جن کو کشتی باپ کی طرف سے میراث میں ملی تھی پانچ ان میں سے اپاہج تھے اور پانچ دریا میں ملاحی کا کام کرتے تھے۔ بعض نے فرمایا: وہ سات تھے ان میں سے ہر ایک کو ایسی تکلیف تھی جو دوسرے کو نہیں تھی۔ نقاش نے ان کے اسماء ذکر کیے ہیں ان میں سے جو کام کرنے والے تھے ان میں ایک جذام کی مرض میں مبتلا تھا، دوسرا کانا تھا، تیسرا لنگڑا تھا، چوتھے کو خصیوں کی

تکلیف تھی، پانچواں بخار میں ہمیشہ رہتا تھا وہ سب سے چھوٹا تھا۔ پانچ وہ تھے جو کام بالکل نہیں کر سکتے تھے وہ اندھا، بہرہ، گونگا، اپاہج اور مجنون تھا۔ اور وہ جس دریا میں کام کرتے تھے وہ فارس اور روم کے درمیان تھا، یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ایک فرقہ نے لمسّاکین، سین کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ کشتی کے ملاح تھے کیونکہ مساک وہ ہوتا ہے جو کشتی کا نچلا حصہ روکتا ہے اور پوری خدمت اس کے روکنے کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے تمام کو مساکین کہا گیا۔ ایک جماعت نے کہا: المساکین سے مراد کھالوں کا دباغت کرنا ہے اس کا واحد مسك ہے۔ اظہر قرأت مساکین ہے جمع مسکین ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کشتی ضعیف اور کمزور لوگوں کے لیے تھی ان پر شفقت کرنا مناسب تھا، واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا میں نے اسے عیب دار کرنا چاہا۔ کہا جاتا ہے: عبت الشئ فعاب، میں نے اسے عیب دار کیا تو وہ عیب دار ہوگئی۔ فھو معیب وعائب، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَانَ وَرَآءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے صحیحة پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان بن عفان نے صالحة پڑھا ہے اور وراء اس کی اصل بمعنی خلف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا: وہ پیچھے تھا اور ملاحوں نے اس بادشاہ کی طرف لوٹنا تھا۔ اکثر علماء نے کہا: یہاں وراء کا معنی امام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر کی قرأت اس کی تائید کرتی ہے۔ وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَحِيحَةٍ غَصْبًا۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک وَرَآءَهُم اپنے معنی میں ہے یہ اس طرح ہے کہ ان الفاظ میں زمانہ کی رعایت رکھی جاتی ہے پس جو حادث مقدم موجود ہے وہ پہلے ہے اور جو اسکے بعد آئے گا وہ وراء (پیچھے) ہے۔ یہ بادی النظر میں جو ظاہر ہوتا ہے اس کے خلاف ہے ان الفاظ میں ان کے مقامات پر غور کر جہاں یہ وارد ہیں تو توان کو عام پائے گا۔ اس آیت میں اس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ اوران کا عمل اور ان کی کوشش اس کے بعد اس بادشاہ کا غصب ہے اور جنہوں نے أمامهم پڑھا ہے انہوں نے جگہ کے اعتبار سے کہا ہے، یعنی وہ گویا ایک شہر کی طرف جائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''الصلاة أمامك'' (1) (نماز آگے پڑھیں گے) یہاں بھی مکان کا ارادہ کیا ہے۔ اس وقت میں ان کا ہونا زمانہ کے اعتبار سے نماز سے پہلے تھا۔ اس گفتگو میں غور کر یہ تجھے ان الفاظ کے استعمال کی پریشانی سے راحت دے گی۔ طبری کی کتاب میں قتادہ کا قول: وَكَانَ وَرَآءَهُم مَّلِكٌ کے تحت واقع ہوا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی أمامهم ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کیا مِنْ وَرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ۔ یعنی ان کے آگے جہنم ہے۔ یہ قول درست نہیں ہے غیر فصیح قول ہے جس سے حسن بن ابی حسن نے اختلاف کیا ہے، یہ زجاج کا قول ہے (2)۔

میں کہتا ہوں: اس امام نے جو اختیار کیا ہے اس سے پہلے ابن عرفہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ ہروی نے کہا: ابن عرفہ نے کہا کہنے والا کہتا ہے: من وراءہ کیسے کہا ہے؟ وہ اس کے آگے تھی، ابو عبیدہ اور ابو علی قطرب نے کہا: یہ لفظ اضداد میں سے ہے وراء، قدام کے معنی میں ہے یہ غیر محصل ہے کیونکہ أمام، وراء کی ضد کی ہے یہ اماکن اور اوقات میں استعمال کی صلاحیت

1۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، الجمع بین الصلاتین بالمزدلفة، جلد 1، صفحہ 227

2۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 535

رکھتا ہے جیسے تیرا قول ہے: إذا وعد وعدًا فی رجب لرمضان۔ پھر وہ کہے: و من وراء ك شعبان، تو جائز ہے، اگرچہ وہ اس سے آگے ہے کیونکہ وہ وعدہ کے وقت اس کو پیچھے کرتا ہے۔ قشیری نے بھی اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے، فرمایا: یہ اوقات کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ آدمی کو امامك نہیں کہا جاتا کیونکہ وہ تیرے پیچھے ہے۔ فراء نے کہا: دوسرے علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے اس قوم کو بادشاہ کی خبر نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو خبر دی حتیٰ کہ انہوں نے کشتی کو عیب لگا دیا؛ یہ زجاج نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے کہا: امام کی جگہ میں وراء کے استعمال میں اہل عربیہ کے تین اقوال ہیں: ا۔ اس کا استعمال ہر حال میں جائز ہے اور ہر مکان میں جائز ہے یہ اضداد میں سے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ۔ یعنی أمامهم جهنم، شاعر نے کہا:

أترجو بَنُو مَروانَ سمعي وطاعتي　　وقومي تميمٌ والفلاةُ وَرَائِيا

یہاں بھی وراء، امام کے معنی میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وراء، امام کی جگہ میں مواقیت اور زمانہ میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ انسان اس سے گزر جاتا ہے اور وہ اس کے پیچھے ہوتا ہے اور اسکے علاوہ جائز نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ان اجسام میں استعمال ہوتا ہے جن کا سامنا ہوتا ہے جیسے دو متقابل پتھر ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے ہے، اور اس کے علاوہ میں جائز نہیں، یہ علی بن عیسیٰ کا قول ہے (1)۔

اس بادشاہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: ہُدد بن بُدد تھا بعض نے کہا: جلندی تھا، یہ سہیلی کا قول ہے۔ امام بخاری نے اس غصب کرنے والے بادشاہ کا ذکر کیا ہے فرمایا: وہ ہدد بن بدد تھا اور مقتول لڑکا، اس کا نام جیسور تھا ہم نے ''الجامع'' میں یزید مروزی کی روایت سے اسی طرح مقید کیا ہے اور اس روایت کے علاوہ میں حیسور (حاء کے ساتھ) ہے اور میرے پاس کتاب کے حاشیہ میں تیسری روایت ہے وہ حیسون ہے۔ وہ بادشاہ ہر اچھی کشتی غصب کر لیتا تھا اسی وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام نے اسے عیب لگا دیا اور اس میں شگاف کر دیا، اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ مصلحت کے لیے کوئی عمل کرنا جائز ہے جب مصالح ثابت ہوں اور کل مال کی بعض مال کے افساد کے ساتھ اصلاح کرنا جائز ہے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ صحیح مسلم میں کشتی کو شگاف لگانے کی حکمت اس طرح بیان کی گئی ہے: جب وہ آئے گا جو اس کو قبضہ میں کرنا چاہتا ہو تو وہ اسے پھٹا ہوا پائے گا تو وہ اس سے آگے نکل جائے گا، پھر یہ لکڑی کے ساتھ اس کی اصلاح کر لیں گے (2)۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تکالیف میں صبر کرنا چاہیے بہت سی ناپسندیدہ چیزوں میں فوائد ہوتے ہیں، اس ارشاد: وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (بقرہ: 216) کا یہی معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ صحیح حدیث میں ہے: ''اس پر کافر ہونے کی مہر لگائی گئی تھی'' (3)۔ یہ اس کی تائید کرتا ہے کہ وہ بالغ نہیں تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس کے متعلق خبر ہو جبکہ وہ بالغ ہو، یہ مفہوم پہلے

1۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 6　2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فضائل خضر علیہ السلام، جلد 2، صفحہ 271

3۔ جامع ترمذی، تفسیر سورۂ کہف، جلد 2، صفحہ 144

گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا بعض علماء نے فرمایا: یہ حضرت خضر علیہ السلام کے کلام سے ہے۔ سیاق کلام بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے یعنی ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر پر مجبور کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے لیے اس جہت پر نفوس کے قتل میں اجتہاد کو مباح کر دیا تھا۔ بعض علماء نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت خضر علیہ السلام نے بیان کیا۔ طبری نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے جان لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے جان لیا۔ یہ اس طرح ہے جس طرح علم کو خوف سے تعبیر کیا جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ (بقرہ: 229)۔

حکایت ہے کہ حضرت ابی نے فَعَلِمَ ربك پڑھا ہے۔ بعض نے فرمایا: خشیت بمعنی کراہت ہے۔ کہا جاتا ہے: فرقت بينهما خشية أن يقتلا۔ یعنی لڑکے کی کراہت کی وجہ سے میں نے ان کے درمیان جدائی کر دی۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک اس تاویل کی توجیہ میں اظہر یہ ہے اگرچہ لفظ اس کی تائید نہیں کرتے کہ یہ استعارہ ہے یعنی مخلوق اور مخاطبین کے گمان پر اگر وہ اس کی حالت کو جان لیں انہیں والدین کو مجبور کرنے کا اندیشہ واقع ہو۔ حضرت ابن مسعود نے فخاف ربك، پڑھا ہے یہ استعارہ میں واضح ہے اس کی نظیر قرآن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعل اور عسیٰ کا ذکر ہے۔ تمام ایسے حروف اور صیغے جن میں ترجی، توقع، خوف اور خشیت ہے وہ تمہارے اعتبار سے ہیں اے مخاطبو! يُّرْهِقَهُمَا کا معنی ہے وہ انہیں مجبور کرے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی محبت انہیں اس کی اتباع پر ڈالے گی پس وہ گمراہ ہو جائیں گے۔ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا جمہور علماء نے باء کے فتحہ اور دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور عاصم نے باء کے سکون اور دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اسے بیٹا عطا فرمائے گا۔ خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً۔ جو دین اور صلاح کے اعتبار سے اس سے بہتر ہو، کہا جاتا ہے: بدّل و أبدل جیسے مهّل و أمهل، نزّل و أنزل کہا جاتا ہے۔ وَّاَقْرَبَ رُحْمًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، شاعر نے کہا:

وكيف بظلم جاريةٍ ومنها اللّينُ والرُّحُمُ

باقی قراء نے حاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے؛ اسی سے رؤبۃ بن عجاج کا قول ہے:

يامُنْزِلَ الرُّحْمِ على إدْرِيسَا ومُنْزِلَ اللّعنِ على إبْلِيسَا(1)

ابو عمرو سے اختلاف مروی ہے۔ رحما، معطوف ہے۔ زکاۃ، پر اس کا معنی رحمةً ہے کہا جاتا ہے: رَحِمه رَحمة و رُحْمًا، اس کا الف تانیث کے لیے ہے اس کا مذکر رُحم ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: رحمًا بمعنی الرحم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وأوْصَل رُحْمًا پڑھا ہے یعنی رَحِمًا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ازکی منه بھی پڑھا ہے۔ ابن جبیر اور ابن جریج سے مروی ہے کہ ان والدین کو لڑکی بدلہ میں دی گئی۔ کلبی نے کہا: اس لڑکی سے ایک نبی نے نکاح کیا تھا پھر اس سے نبی پیدا ہوا تھا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 536

اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے ایک امت کو ہدایت دی تھی۔ قتادہ نے کہا: اس نے بارہ انبیاء کو جنم دیا تھا۔ ابن جریج سے مروی ہے کہ اس لڑکے کی ماں اس دن ایک مسلمان بچے کے ساتھ حاملہ تھی جس دن وہ قتل ہوا تھا اور مقتول لڑکا کافر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس نے بچی جنم دی جس نے پھر نبی کو جنم دیا۔ ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے بدلے میں بچی دی جس نے ستر انبیاء کو جنم دیا، اور یہ جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کر کے کہا ہے: ہمارے علماء نے کہا یہ بعید ہے، انبیاء کی کثرت صرف بنی اسرائیل میں معروف ہے اور یہ عورت بنی اسرائیل میں نہ تھی۔ اس آیت سے مستنبط ہوتا ہے کہ اولاد کے مفقود ہونے کے ساتھ مصائب آسان ہوتے ہیں اگرچہ اولاد جگر کا ٹکڑا ہوتی ہے اور جو قضاء الٰہی کو تسلیم کرتا ہے اس کا انجام ید بیضا سے بھی روشن ہوتا ہے۔ قتادہ نے کہا: جب وہ بچہ پیدا ہوا تھا تو اس کے والدین خوش ہوئے تھے اور جب وہ قتل ہوا تھا تو پریشان ہوئے تھے۔ اگر وہ لڑکا باقی رہتا تو اس میں ان کی ہلاکت تھی، پس ہر شخص پر اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مومن کے حق میں کبھی ناپسندیدہ امر کا فیصلہ بہتر ہوتا ہے بنسبت اس کے جو وہ اس کے لیے اس کی پسند کا فیصلہ فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ۔ (1) یہ لڑکے دونوں چھوٹے تھے کیونکہ یتیم کے ساتھ ان کی صفت بیان کی گی ہے۔

ان کے نام اَصرام اور صریم تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا یُتم بعد بلوغ "بلوغت کے بعد یتیمی نہیں ہے"۔ یہی ظاہر ہے۔ یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ ان پر شفقت کی بناء پر بعد از بلوغ یتیم کا لفظ بولا گیا ہو اگرچہ وہ یتیم نہ تھے (2)۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ لوگوں میں یتیم وہ ہوتا ہے جس کا باپ فوت ہو جائے اور حیوانوں میں وہ ہوتا ہے جس کی ماں مرجائے۔ فِي الْمَدِيْنَةِ میں دلیل ہے کہ دیہات کو بھی مدینہ کہا جاتا ہے، اسی سے حدیث ہے أمرتُ بقرية تأكل القرىٰ (3) اور ہجرت کی حدیث میں ہے۔ لمن انت۔ تو اس شخص نے کہا: من أهل المدينه۔ یعنی مکہ سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا، كَنْزٌ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، عکرمہ اور قتادہ نے کہا: وہ بہت بڑا مال تھا، یہ کنز کے اسم سے ظاہر ہے کیونکہ لغت میں مال مجموع کو کنز کہا جاتا ہے؛ اس کے متعلق کلام گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہ علم تھا جو مدفون صحیفوں میں تھا (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے فرمایا: وہ سونے کی تختی تھی جس پر یہ لکھا ہوا تھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مجھے تعجب ہے اس شخص کے لیے جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے پھر وہ کیسے پریشان ہوتا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس پر جو رزق پر ایمان رکھتا ہے پھر وہ کیسے تھکتا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس پر جو موت پر ایمان رکھتا ہے پھر وہ کیسے خوش ہوتا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس پر جو حساب پر ایمان رکھتا ہے پھر کیسے غافل ہوتا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو اس کو جانتا ہے اور اس کے اپنے اہل کے ساتھ تبدیل ہونے کو بھی جانتا ہے پھر اس کے لیے مطمئن ہوتا ہے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 537
2۔ سنن ابی داؤد، باب ما جاء متی ینقطع الیتم، حدیث 2489
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا، ما جاء متی ینقطع الیتم، جلد 2، صفحہ 41
4۔ تفسیر طبری، جز 16-15، صفحہ 9

عکرمہ اور عمر مولی غفرہ سے اسی طرح مروی ہے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا سیاق کلام اور لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا قریبی والد تھا (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ ان کا ساتواں دادا تھا؛ یہ جعفر بن محمد کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ دسواں دادا تھا اس کی وجہ سے ان کی حفاظت کی گئی اگرچہ وہ صلاح کے ساتھ مشہور نہ تھا، اسے کاشح کہا جاتا تھا؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ ان کی والدہ کا نام دینا تھا؛ یہ نقاش نے ذکر کیا ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ صالح شخص کی اپنی بھی حفاظت فرماتا ہے اور اس کی اولاد کی بھی حفاظت فرماتا ہے، اگرچہ وہ اس سے بہت دور کا رشتہ رکھتے ہوں۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ صالح آدمی کی سات پشتوں تک حفاظت کرتا ہے، اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: اِنَّ وَلِیِّ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَ هُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ۝ (الاعراف)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ۔ یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے (2) ان کے بارے میں اختلاف گزر چکا ہے۔ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ یعنی تفسیر۔ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ۝ ایک جماعت نے تستطع پڑھا ہے۔ جمہور علماء نے تسطع پڑھا ہے۔ ابوحاتم نے کہا: ہم مصحف کے خط میں اسی طرح پڑھتے تھے۔ یہاں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوجوان کا ذکر نہ آیت کی ابتدا میں ہوا نہ آخر میں ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوجوان کا ذکر نہیں سنا گیا حالانکہ وہ ان کے ساتھ تھا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نوجوان نے پانی پیا تھا پس وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اسے عالم نے پکڑا اور اس پر کشتی کو چسپاں کر دیا پھر اس دریا میں چھوڑ دیا وہ اس کے ساتھ قیامت تک دریا میں گھومتی رہے گی یہ اس لیے ہوا کہ اسے پانی پینا نہیں تھا، لیکن اس نے اس سے پانی پی لیا تھا۔ قشیری نے کہا: اگر یہ ثابت ہو تو پھر نوجوان یوشع بن نون نہ ہو کیونکہ یوشع بن نون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد زندہ رہے تھے اور ان کے خلیفہ تھے۔ اظہر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نوجوان کو واپس بھیج دیا تھا جب ان کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔ ہمارے شیخ امام ابوالعباس نے کہا: یہ احتمال ہے کہ متبوع کے ذکر کی وجہ سے تابع کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 2۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ان لڑکوں کے خزانہ کو نکالنے کے واقعہ کو اللہ کی طرف کیسے منسوب کیا جبکہ انہوں نے کشتی کو شگاف لگانے کے بارے میں کہا فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا عیب کی نسبت اپنی طرف کی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ دیوار میں ارادہ کو اللہ کی طرف منسوب کیا کیونکہ ایک لمبے زمانہ میں ایک نیا امر تھا اور غیوب میں سے ایک غیب تھا، پس اس جگہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہی بہتر تھا، اگرچہ حضرت خضر علیہ السلام نے وہ ارادہ کیا تھا جو اللہ تعالیٰ نے اسے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: چونکہ یہ کام تمام خیر تھا تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی۔ اور کشتی کے عیب کو ادب کی رعایت کرتے ہوئے اپنی طرف منسوب کیا کیونکہ یہ عیب کا لفظ تھا پس انہوں نے ادب کا خیال کرتے ہوئے ارادہ کو اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی طرف منسوب کیا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ادب

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 537　2۔ ایضاً

کا خیال کرتے ہوئے کہا تھا: وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿ (الشعراء) پہلے اور بعد میں فعل کو اللہ کی طرف منسوب کیا اور اپنی طرف مرض کی نسبت کی کیونکہ اس میں نقص اور مصیبت کا معنی ہے، پس اللہ تعالیٰ کی طرف صرف وہی الفاظ منسوب کیے جاتے ہیں جو مستحسن ہوں۔ یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بِيَدِكَ الْخَيْرُ (آل عمران: 26) خیر پر اکتفا فرمایا اور شر کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا اگرچہ خیر و شر، نقصان اور نفع اس کے ہاتھ میں ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی ہر شی سے آگاہ ہے، اس پر اس حدیث سے اعتراض نہیں کیا جا سکتا جس میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا: اے ابن آدم! میں مریض تھا تو تو نے میری عیادت نہیں کی، میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا تو تو نے مجھے کھلایا نہیں تھا، میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا تو تو نے مجھے پانی نہیں پلایا تھا“ (1)۔ یہ خطاب میں تنزل اور عتاب میں تلطف ہے۔ اس کا مقصد ذی الجلال کی فضیلت کی پہچان ہے، اور ان پر اعمال کے ثواب کی مقادیر کی معرفت ہے؛ یہ معنی پہلے گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کو شایان ہے کہ اپنے لیے جو چاہے بیان کرے اور ہمیں صرف اسی کی اجازت ہے جس میں اوصاف جمیلہ کا ذکر ہو اور افعال شریفہ کا بیان ہو۔ اللہ تعالیٰ نقائص اور آفات سے بلند و بالا ہے۔ لڑکے کے بارے میں فرمایا: فَاَرَدْنَآ قتل کی نسبت اپنی طرف کی اور تبدیلی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی، افضل کمال خلق اور کمال عقل ہے۔ سورۂ انعام میں اس کا معنی گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 3۔ ہمارے شیخ ابو العباس نے فرمایا: زنادقہ باطنیہ قوم سلوک طریق کا نظریہ رکھتے ہیں جس سے احکام شرعیہ لازم ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: یہ احکام شرعیہ عامہ جو ہیں ان کے ساتھ حکم اغبیاء اور عوام پر لگایا جاتا ہے۔ رہے اولیاء اور اہل خصوص وہ ان نصوص کے محتاج نہیں ہیں بلکہ ان سے وہی مراد ہوتا ہے جو ان کے دلوں میں واقع ہوتا ہے۔ اور ان پر اس کے ساتھ حکم لگایا جاتا ہے جو ان کے خواطر پر غالب آتا ہے، انہوں نے کہا: یہ اس لیے ہے کہ ان کے دل کدورتوں سے صاف ہوتے ہیں اور ان کے دل اغیار سے خالی ہوتے ہیں، اور ان کے لیے علوم الٰہیہ روشن ہوتے ہیں اور حقائق ربانیہ واضح ہوتے ہیں، وہ اسرار کائنات پر واقف ہوتے ہیں اور جزئیات کے احکام جانتے ہیں اس لیے وہ احکام شرعیہ کلیہ سے مستغنی ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے لیے اتفاق ہوا وہ علوم جو ان کے لیے روشن تھے ان کی وجہ سے وہ ان علوم سے مستغنی ہوئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھے اور یہ لوگ یہ حدیث اپنے اس نظریہ پر نقل کرتے ہیں ”اپنے دل سے فتویٰ پوچھ اگرچہ مفتی تجھے فتویٰ دیں“۔ ہمارے شیخ نے فرمایا: یہ قول زندقہ اور کفر ہے، اس کے قائل کو قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ معلوم شرائع کا انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت جاری فرمائی اور اپنی حکمت نافذ فرمائی ہے کہ اس کے احکام معلوم نہیں ہوتے ہیں مگر ان رسولوں کے واسطہ سے جو اس کے اور مخلوق کے درمیان سفیر ہوتے ہیں وہ اس کے پیغام اس کی طرف پہنچاتے ہیں اور وہ اس کی شریعت اور احکام بیان کرتے ہیں، اسی وجہ سے اس نے انہیں چنا ہے اور اس کے ساتھ انہیں خاص کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة، باب عیادة المریض، جلد 2، صفحہ 318

اللّٰہ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿﴾ (الحج)

اور فرمایا: اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ (الانعام: 124) اور فرمایا: کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۟ فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ (البقرہ:213) اس کے علاوہ بھی آیات ہیں۔

بہر حال علم یقینی اور قطعی یقین اور سلف وخلف کا اس بات پر اجماع حاصل ہے کہ احکام الٰہیہ کی معرفت کا کوئی راستہ نہیں جو اس کے امر اور نہی پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں سے کسی حکم کی پہچان نہیں ہو سکتی مگر رسولوں کی جہت سے۔ پس جو کہتا ہے کہ کوئی دوسرا طریقہ ہے جس سے امر و نہی کی پہچان بغیر رسولوں کے ہوتی ہے رسولوں کی جس میں ضرورت نہیں تو وہ کافر ہے، اسے قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی اور نہ اس کے ساتھ سوال و جواب کی ضرورت ہے۔ پھر یہ تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرے انبیاء کا اثبات ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء اور خاتم الرسل بنایا ہے۔ حالانکہ اس کے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ رسول اس کا بیان یہ ہے کہ جو کہتا ہے کہ وہ اپنے دل سے احکام لیتا ہے جو اس کے دل میں واقع ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا وہ اس کے مقتضا کے مطابق عمل کرے گا وہ اس کیفیت کے ساتھ کتاب وسنت کا محتاج نہیں تو اس نے خاص اپنے لیے نبوت ثابت کی کیونکہ یہ اس طرح ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: کہ ''روح القدس نے میرے دل میں پھونکا'' ☆۔

مسئلہ نمبر 4۔ جمہور لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا وصال ہو گیا ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا: وہ زندہ ہیں کیونکہ آپ نے آب حیات کے چشمہ سے پانی پیا تھا۔ وہ زمین میں باقی ہیں اور وہ بیت اللہ کا حج کرتے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اس مفہوم میں نقاش نے بڑی لمبی کلام کی ہے، انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سی چیزیں حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کی ہیں۔ یہ تمام روایات کسی بنیاد پر مبنی نہیں۔ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے اور حج کرتے تو ملت اسلامیہ میں ان کا ظہور ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کی تفاصیل کو جاننے والا ہے اس کے علاوہ کوئی رب نہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کے وصال پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے: أرأیتم لیلتکم ھذہ فإنہ لا یبقی متن ھو الیوم علی ظھر الأرض أحد (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ امام بخاری کا مسلک ہے، قاضی ابو بکر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ صحیح قول دوسرا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں جیسا کہ ہم ذکر کریں گے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخر میں ایک رات عشاء کی نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''تم اپنی اس رات کے بارے میں بتاؤ کہ اس سے سو سال کے آغاز پر جو سطح زمین پر ہے ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا'' (2)۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر لوگ غلط تبصرے کرنے لگے، سو سال کے بارے میں مختلف باتیں کرنے لگے جو وہ کرتے تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آج سطح زمین پر ہے اس میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا'' (3)۔ اس سے مراد یہ تھا کہ یہ قرن ختم ہو جائے گی۔ اس حدیث کو حضرت جابر بن عبد اللہ نے بھی روایت کیا ہے

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، السمر فی العلم، جلد 1، صفحہ 22 2۔ کنز العمال، جلد 14، صفحہ 194، حدیث نمبر 38344
3۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 2، صفحہ 310 ☆ شرح السنۃ بغوی۔ 4110

فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال سے ایک مہینہ پہلے یہ کہتے ہوئے سنا: ''تم مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو، اس کا علم اللہ کے پاس ہے اور میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں! سطح زمین پر کوئی نفس رہنے والا نہیں ہوگا جس پر سو سال گزرے گا'' دوسری روایت میں ہے سالم نے کہا: ہم نے ذکر کیا کہ جو اس دن پیدا ہو چکا ہے۔ ایک روایت میں ہے آج کوئی نفس ایسا نہیں جس پر سو سال آئے گا، اور وہ اس وقت زندہ ہوگا۔ عبدالرحمن صاحب السقایة نے اس کی تفسیر میں فرمایا: عمر کم ہوگی۔ حضرت ابو سعید خدری سے اس حدیث کی طرح مروی ہے۔ ہمارے علماء نے کہا: اس حدیث کے ضمن میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے ایک مہینہ پہلے خبر دی تھی کہ بنی آدم میں سے جو بھی موجود ہے اس کی عمر سو سال پر ختم ہو جائے گی کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما من نفس منفوسة (1)۔ یہ لفظ ملائکہ اور جن کو شامل نہیں کیونکہ ان سے صحیح نہیں کہ وہ اس طرح ہیں اور نہ حیوان غیر عاقل شامل ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ممن هو على ظهر الأرض أحد (2)۔ یہ اصل وضع کے اعتبار سے ذوی العقول کے لیے بولا جاتا ہے پس تعین ہو گیا کہ مراد بنی آدم ہیں۔ حضرت ابن عمر نے اس معنی کو بیان کیا ہے فرمایا: اس سے مراد صدی کا ختم ہونا ہے۔ اس شخص کے لیے کوئی حجت نہیں جو اس شخص کے قول کے بطلان پر حجت پکڑتا ہے جو کہتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں کیونکہ ما من نفس منفوسة (3) میں عموم ہے چونکہ عموم اگرچہ استغراق کی تاکید کرتا ہے، لیکن اس میں نص نہیں ہوتا بلکہ وہ تخصیص کے قابل ہوتا ہے۔ پس یہ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شامل نہیں ہے، کیونکہ وہ فوت ہوئے ہیں نہ قتل ہوئے ہیں، نص قرآنی کے ساتھ ان کا زندہ ہونا ثابت ہے، اور یہ عموم دجال کو بھی شامل نہیں حالانکہ وہ بھی زندہ تھا، اس کی دلیل حدیث الجساسہ ہے۔ اسی طرح یہ عموم حضرت خضر علیہ السلام کو بھی شامل نہیں۔ وہ لوگوں کو نظر نہیں آتے اور نہ ان کو نظر آتے ہیں جن لوگوں میں وہ جاتے ہیں تاکہ ان کے دل میں ایک دوسرے سے خطاب کے وقت خطرہ پیدا نہ ہو، اس عموم کی مثل ان کو شامل نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اصحاب کہف زندہ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حج کرتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نوجوان جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ ابو اسحاق ثعلبی نے (العرائس) میں ذکر کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں ان کو لمبی عمر دی گئی ہے، آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ محمد بن متوکل نے ضمرہ بن ربیعہ عن ابن شوذب کے سلسلہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام فارس کی اولاد سے تھے اور حضرت الیاس علیہ السلام بنی اسرائیل سے تھے، وہ ہر سال حج کے موقع پر آپس میں ملاقات کرتے ہیں۔ عمرو بن دینار سے مروی ہے فرمایا: حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام زمین پر زندہ رہیں گے جب تک قرآن زمین پر موجود ہے، جب قرآن اٹھا لیا جائے گا وہ بھی فوت ہو جائیں گے۔ ہمارے شیخ امام ابو محمد عبدالمعطی بن محمد بن عبدالمعطی لخمی نے قشیری کے رسالہ کی شرح میں بہت سے نیک مردوں اور عورتوں کی حکایات ذکر کی ہیں کہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی جس کے مجموعہ سے ظن غالب یہی ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہیں نیز نقاش اور ثعلبی وغیرہ نے بھی یہ ذکر کیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے ''دجال شور یلی زمین پر پہنچے گا جو مدینہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، جلد 2، صفحہ 310 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

کے قریب ہوگی اس وقت اس کی طرف ایک شخص نکلے گا جو لوگوں سے بہتر ہوگا''۔ اس حدیث کے آخر میں ہے ابو اسحاق نے کہا: یعنی اِنّ ھٰذا الرجل ھو الخضر (1) (وہ شخص حضرت خضر ہوگا) ابن ابی الدنیا نے ''الہواتف'' میں ایک سند کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کو انہوں نے حضرت علی بنیتنہ تک پہنچایا ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملے اور انہوں نے آپ کو یہ دعا سکھائی اور اس میں اس شخص کے لیے بہت بڑے ثواب، مغفرت اور رحمت کا ذکر کیا ہے جو ہر نماز کے بعد اس کو پڑھے گا وہ دعا یہ ہے: یامن لا یشغلہ سمع عن سمع، ویامن لا تغلطہ المسائل، ویامن لا یتبرم من إلحاح الملحین، أذقنی برد عفوک، وحلاوۃ مغفرتک (اے وہ ذات جس کو ایک آواز کا سننا دوسری آواز کے سننے سے غافل نہیں کرتا، اے وہ ذات مسائل جس سے غلطی نہیں کراتے، اے وہ ذات جو اصرار سے مانگنے والوں کے اصرار سے اکتاتی نہیں! تو مجھے اپنے عفو کی ٹھنڈک اور اپنی مغفرت کی حلاوت عطا فرما) انہوں نے حضرت عمر سے بھی بعینہٖ یہی دعا ذکر کی ہے جو انہوں نے حضرت علی بنیتنہ سے ذکر کی جو انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے سنی ہے، اسی طرح انہوں نے حضرت الیاس علیہ السلام کا نبی کریم سنیتیہم سے ملاقات ہونا بھی ذکر کیا ہے۔ جب حضرت الیاس علیہ السلام کا نبی کریم سنیتیہم کے زمانہ تک باقی ہونا جائز ہے تو حضرت خضر علیہ السلام کا باقی ہونا بھی جائز ہے۔ ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا ہے کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام ہر سال بیت اللہ کے پاس ملتے ہیں اور جدائی کے وقت کہتے ہیں: ما شاء اللہ ما شاء اللہ، لا یصرف السوء الا اللہ، ما شاء اللہ ما شاء اللہ ما یکون من نعمۃ فمن اللہ ما شاء اللہ ما شاء اللہ توکلت علی اللہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل (جو اللہ چاہے جو اللہ چاہے برائی اور تکلیف کو اللہ کے سوا کوئی نہیں پھیر سکتا، جو اللہ چاہے جو اللہ چاہے۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو اللہ چاہے جو اللہ چاہے۔ میں اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں، ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی بہتر کارساز ہے) رہی حضرت الیاس علیہ السلام کی خبر تو وہ سورۃ الصافات میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابو عمر بن عبد البر نے کتاب ''التمہید'' میں حضرت علی بنیتنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: جب نبی کریم سنیتیہم کا وصال ہوا اور کپڑے کے ساتھ آپ کو لپیٹا گیا تھا تو گھر کے ایک کونے سے ہاتف غیبی نے آواز دی لوگ اس کی آواز سنتے تھے اور اس شخصیت کو نہیں دیکھتے تھے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ السلام علیکم أھل البیت۔ کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ۔ إنّ فی اللہ خلفا من کلّ ھالک وعوضا من کلّ تالف، عزاء من کلّ مصیبۃ۔ فباللہ فثقوا، وإیاہ فارجوا، فإنّ المصاب من حُرم الثواب (اے اہل بیت! تم پر سلام ہو، ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر جانے والے کا خلیفہ ہے اور تلف ہونے والے کا عوض ہے، ہر مصیبت سے تسلی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور اس سے امید رکھو، مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم کیا گیا) صحابہ کرام خیال کرتے تھے کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں علی الأرض میں الف، لام عہد کے لیے ہے جنس کے لیے نہیں ہے، اس سے مراد عرب کی زمین ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کا ان میں تصرف تھا اور اس کی طرف لوٹنا تھا نہ کہ یاجوج وماجوج کی زمین اور نہ ہند وسندھ کے دور دراز علاقے جس کا نام بھی نہیں سنا گیا اور نہ اس کا علم ہوا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، صفۃ الدجال، جلد 2، صفحہ 402

اور دجال کے بارے میں جواب نہیں۔

علامہ سہیلی نے کہا: حضرت خضر علیہ السلام کے نام کے بارے میں بڑا واضح اختلاف ہے۔ ابن منبہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: ایلیا بن ملکان بن فالغ بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ بعض علماء نے کہا: وہ ابن عامیل بن سماالجین ابن اَریا بن علقما بن عیصو بن اسحاق ہے، ان کا باپ ملیکا تھا اور ماں بنت فارس اس کا نام الھا تھا انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو ایک غار میں جنم دیا تھا وہاں ایک بکری تھی جو انہیں ہر روز دودھ پلاتی تھی وہ اس شہر کے ایک آدمی کی بکریوں میں سے تھی، اس شخص نے حضرت خضر علیہ السلام کو پکڑ لیا اور آپ کی پرورش کی جب جوان ہو گئے تو ملک جو حضرت خضر کا باپ ہے نے ایک کاتب بلایا اور اہل معرفت و نبالت کو جمع کیا تاکہ وہ صحیفے لکھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے۔ جو کاتبوں میں اس کے سامنے آیا اس کا بیٹا خضر تھا، وہ اسے نہیں جانتا تھا، جب اس نے بہت اچھا لکھا تو اس نے اس کے بارے میں خوب چھان بین کی اسے پتا چلا کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو اس نے اس کو اپنی قربت بخشی اور لوگوں کے امور کا والی بنا دیا پھر حضرت خضر علیہ السلام بادشاہ سے بھاگ گئے۔ ان اسباب کی وجہ سے جن کا ذکر بہت طویل ہے، حتی کہ وہ آب حیات کے چشمہ پر پہنچے اور اس کا پانی پیا پس وہ دجال کے نکلنے تک زندہ رہیں گے اور وہ شخص جس کو دجال قتل کرے گا اور پھر اسے کاٹ دے گا اور پھر اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا وہ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا اور یہ صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری اور اہل حدیث کی ایک جماعت نے کہا جن میں سے ہمارے شیخ ابو بکر بن عربی رحمہ اللہ بھی ہیں کہ وہ سو سال ختم ہونے سے پہلے وصال کر گئے، اس کی وجہ یہ حدیث ہے: الی رأس مائۃ عام لا یبقی علی ھذہ الأرض فمن ھو علیھا أحد سو سال کے آغاز تک جو بھی اس زمین پر ہے ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے، یعنی جو زندہ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام فرمایا تھا۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس حدیث کا ذکر کیا اور اس پر کلام کی اور ہم نے حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی اب تک کے لیے بیان کی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جدا ہونے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: مجھے وصیت فرمائیے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: تو مسکرانے والا ہو جا اور ہنسنے والا نہ ہو، لجاجت چھوڑ دے اور بغیر حاجت کے نہ چل۔ خطا کاروں پر ان کی خطاؤں کی وجہ سے عیب نہ لگا اور اے ابن عمران اپنی خطا پر رو۔

وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ؕ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَ اٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ۙ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ۬ قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ